فصل دوم

اسلام کے خاندانی نظام کو درپیش خطرات

اسلام میں خاندان کے استحکام پر زور

خاندان معاشرے کی ایک ایسی اکائی ہے جس کا استحکام معاشرتی زندگی کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اسلام کے نظام حیات میں بھی خاندان کے ادارے کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ خاندانی ادارہ ایک ایسی شناخت ہے جس کے بغیر کسی بھی معاشرے کو مہذب اور اسلامی قرار دینا ناممکن سی بات لگتی ہے۔

انسان کو تخلیق کرنے سے قبل خالق نے اس کی زندگی کو منظّم اور مربوط معاشرے میں کارآمد اکائی بنانے کی خاطر تمام تر جزئیات بھی طے کر لی تھیں۔ آپ اسے جدید دور سے ہم آہنگ کرتے 'فزیبلٹی رپورٹ' کا نام دے لیں۔ یہ جزیات سینہ دھرتی پر اس کے عارضی قیام کے ہمہ جہت اور ہمہ وقت تقاضوں سے مطابقت رکھنے والی تھیں، چونکہ یہ خالق نے اپنی مخلوق کے لیے طے کی تھیں، اس لیے ہر سقم سے پاک تھیں۔

خالق نے اپنی اس مخلوق پر دو مزید احسانات یہ کیے کہ بدلتے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ہدایات دینا طے فرمایا اور پھر ان ہدایات پر عمل کی ترتیب کے لیے اپنے انتہائی معتبر بندوں کو مبعوث فرمایا یعنی شریعت دی اور عملی تربیت و رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری رکھا۔ انسانیت نے جب عالمگیریت کی سرحدوں تک پھیلاؤ اختیار کر لیا تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مکمل و محکم کتاب ہدایت دے دی۔

تمام آسمانی کتب یعنی صحف ابراہیم علیہ السلام، زبور، تورات اور انجیل، خالق کے مخلوق کے نام پیغام و ہدایات پر مشتمل تھیں اور ہر نبی نے اس پیغام ربانی کی تشریح و توضیح میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی مگر ان کے متبعین نے بعد ازاں خود کو اس تعلیم کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اس تعلیم کو اپنی مرضی و منشاء کے مطابق ڈھال لیا۔ یوں وہ حقیقی ربانی پیغام مسخ ہوتے ہوتے اپنی اصلیت سے بہت دور چلا گیا۔

پیغام ہدایت چونکہ ایک ہی ہستی 'خالق' کی طرف سے تھا اس لیے بنیادی تعلیم و ہدایت ہر دور کے لیے ایک ہی طرح کی تھی، یعنی دین، زندگی گزارنے کے بنیادی لوازمات عقیدہ و اقدار میں کبھی ردوبدل نہ تھا۔ یہی چیز ہے جسے اسلام کہا گیا۔ یعنی سلامتی کا دین، سلامتی جو فرد سے شروع ہو کر معاشرے کی اجتماعیت کو جلا بخشے۔ تحریف دین کے دلدادہ لوگوں نے اپنے اپنے دور کو مسلم کے بجائے یہودی اور عیسائی وغیرہ سے موسوم کر لیا۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ جب انسانی آبادی نے بہت بڑے کنبے کی صورت اختیار کر لی تو خالق نے چاہا کہ اب سینۂ دھرتی پر مکمل دین کے ساتھ آخری امت اٹھائی جائے اور مکمل و اکمل کتاب ہدایت دے کر انبیاء کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا جائے۔ چونکہ پہلے بدفطرت انسان الہامی کتب میں تحریف کر چکے تھے اس لیے آخری کتاب قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھا لی تاکہ قیامت تک تحریف ممکن نہ ہو۔

قرآن حکیم میں رب العزت نے فرد کی انفرادیت اور سماج و معاشرے کی اجتماعیت کے تمام تر عملی پہلوؤں پر قابل عمل ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ ان کے عملی پہلوؤں کی تشریح کی ذمہ داری سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ رکھی جسے آپؐ نے بطریق احسن پورا کیا۔ آپؐ نے ایک ایسا نمونے کا صالح معاشرہ قائم کرکے دکھادیا جس کی مثال پیش کرنے سے ماضی و حال قاصر ہیں۔

اسلام فرد کی تربیت سے خاندان تشکیل دیتا ہے اور خاندان کی معیاری تشکیل سے معاشرہ، ملکی سطح پر امن وسکون، خوشحالی اور استحکام وطن کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ اگر اسی ماڈل کو عالمی سطح پر پھیلا دیا جائے تو یہ عالمی امن کی ضمانت بن جاتا ہے، جس طرح خلافت راشدہ کے دور میں جہاں جہاں اسلام گیا سکھ سکون اور خوشحالی کا ذریعہ ثابت ہوا۔

جس نے بھی کہا خوب کہا:

If there is Sincerity in purpose there is beauty in character,

If there is beauty in Character, there is harmony in the home,

If there is harmony in the home, there is order in the nation and

If there is order in the nation, there is peace in the World.

خاندان کے استحکام کی بنیادیں

اسلام نے خاندان کی اکائی کی بطریق احسن تشکیل پر زور دیا ہے۔ خاندان جو میاں اور بیوی سے تشکیل پاتا ہے، یہی بیوی ماں کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہوتی ہے تو وہ اولاد کی جنت قرار پاتی ہے۔ میاں اور بیوی جب ماں باپ بنتے ہیں تو اولاد کی ہمہ جہت ذمہ داریاں ان کے کندھوں کو مسلسل جھکاتی رہتی ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خالق نے پہلے سے ان کے لیے ہدایات کا انتظام کر رکھا ہے۔

میاں اور بیوی کے لیے حقوق کا تعین ہے، ماں اور اولاد، باپ اور اولاد کے مابین تعلقات طے ہیں۔ اولاد کی پرورش کے لیے جس جذبہ ترحم ومحبت ومودت کی ضرورت ہے، بچے کی پیدائش سے قبل ہی دونوں میاں بیوی کو ودیعت کیا جاچکا ہوتا ہے۔ غرض خاندان کی بنیاد کا کوئی اینٹ، پتھر ایسا نہیں ہے جو کسی پہلو سے بے جوڑ ہو۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر راہنمائی فرما کر امت پر احسان فرمایا۔

خاندان کی بنیاد مرد اور عورت رکھتے ہیں۔ خالق نے سب سے پہلے عورت کا تحفظ فرماتے ہوئے ہدایت دی:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾[۱]

''مرد سرپرست ونگہبان ہیں عورتوں کے، اس بنا پر کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بعض کو بعض پر اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

عورت کے لیے داخلی وخارجی تحفظ کے ساتھ ساتھ معاشی تحفظ بھی عطا ہوا۔

۱۔ النساء۴:۳۴

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ﴾۲

''اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کو میراث بنالو اور نہ ہی اپنے دیے ہوئے مہر یا وراثت ہڑپ کرنے کے لیے ان پر دباؤ ڈالو الا یہ کہ وہ صریح بدکاری کا ارتکاب کریں۔''

یہ خاندان کے اندر عورت کو فراہم کردہ تحفظ کی عمدہ ترین مثال ہے۔

خاندان کے اندر عملی زندگی میں بعض بے اعتدالیوں سے ابلیس فائدہ اٹھا کر میاں بیوی کے مابین تنازع سے گھر کا سکون غارت کر دیتا ہے۔ گھر سے برکت اٹھ جاتی ہے اور میاں بیوی کی ناچاقی اولاد کی تربیت پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے:

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴾۳

''اور تمہیں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو میاں کے خاندان سے ایک ثالث اور بیوی کے خاندان سے ایک ثالث لو، پھر اگر دونوں اصلاح احوال چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

میاں اور بیوی والدین کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں تو ان کو تحفظ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو یوں حکم دیتا ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴾۴

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔''

والدین کے بعد اولاد کے حقوق پر قرآن کریم سے رہنمائی لیجیے، اولاد بچپن میں سب سے زیادہ توجہ کی مستحق ہوتی ہے۔

﴿وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾۵

''جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا مگر

۲۔ النسآء ۴:۱۹ ۳۔ النساء ۴:۳۵

۴۔ بنی اسرائیل ۱۷:۲۳ ۵۔ البقرة ۲:۲۳۳

کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔‘‘

خاندان کی اکائی تنہا معاشرے میں مثبت کردار ادا نہیں کرسکتی۔ ربط ملت کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ انسان کے خالق نے اپنے قریبی رشتہ دار خاندانوں کے ساتھ میل جول، حسن سلوک اور ادائیگی حقوق پر ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ، غیر رشتہ دار ہمسایوں اور محلّہ داروں کے حقوق پر بھی ہدایات سے بنی نوع انسان کو نوازا ہے تاکہ ملت کے ساتھ مربوط ہوکر فرد کا وجود برقرار رہے۔ بقول شاعر مشرق:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اسلام کے خاندانی نظام کو درپیش خطرات کا سرسری جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمان خاندان رہائش کے اعتبار سے بڑے وسیع خاندان ہوتے ہیں۔ ان کی دو تین نسلیں آپس میں اس مضبوطی سے جڑی ہوتی ہیں کہ غیر اسلامی تہذیبیں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ اسلام کے خاندانی نظام میں باہمی تعاون اور ذمہ داریوں کو اخلاقی، سماجی اور قانونی اعتبار سے تحفظ دیا گیا ہے۔ قرآن کریم اور سیرت نبویؐ میں خاندان کے ادارے کے استحکام کے لیے حقوق وفرائض کا تعین، میراث کے قانون کا نظام اور ترغیبات دی گئیں ہیں۔

خاندان میں اجتماعیت رکھنے والی چیز (Binding Force) عقیدہ اور گھر کی ملکہ 'ماں' ہوتی ہے۔ کسی خاندان کے یہ دونوں ستون اگر مستحکم ہیں تو خاندان ہر طرح کے حوادث میں محفوظ و مامون ہے اور اگر خدانخواستہ یہ ستون دیمک زدہ ہوجائیں یا دونوں میں کوئی ایک کرم خوردہ ہو تو اسی مناسبت سے خاندان کی عمارت تباہی سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے مکمل شعور و ادراک کے ساتھ ملت اسلامیہ کے خاندان کے یہی دوستون گرانے کے لیے مختلف محاذوں سے حملہ کیا ہے۔

☆ خاندان کے استحکام میں مذہب وعقیدہ کی اہمیت

خاندانی نظام اور اس میں جڑے رشتوں کو جتنی محبت، محنت اور قوت سے مذہب جوڑتا ہے کوئی بھی اور عامل یہ کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا خواہ وہ معاشی طور پر کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ سائنسی طور پر کتنا ترقی یافتہ کیوں نہ ہو اور معاشرتی طور پر کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو۔

خاندان کے اردگرد ہونے والی تبدیلیاں اور معاشرے کا دباؤ اس پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے اور خاندان کا ادارہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی ہوتا رہتا ہے مگر فرد اگر اکیلا ہو تو ان اثرات کو جلد قبول کرلیتا ہے اور خاندان میں ہو تو اس کی شدت تقسیم ہو کر کم ہوجاتی ہے۔

مذہب خاندان میں موجود افراد کی ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے۔ ان کو مرد وعورت کے طبعی رجحانات کے مطابق تقسیم کرتا ہے اور خاندان کو معاشرے کی اونچ نیچ اور صنفی کشمکش اور منفی اثرات سے بچاتا ہے خاندان اور مذہب کے مشترکہ اقدامات سے افراد کو سکون ملتا ہے اور طمانیت کے خزانے نصیب ہوتے ہیں۔

مذہب کی زبردست مزاحمت کرنے والوں کو بھی یہ علم اور احساس ہے کہ انسان آج کا ہو یا گزرے ہوئے کسی وقت کا، اس پر مذہب کے اثرات بہت گہرے اور اکثر انمٹ ہیں۔ انسان بظاہر مذہب سے بیگانہ ہو بھی جائے تو اس کے شعور میں یہ اس قدر رچا بسا رہتا ہے کہ جہاں بھی اسے دو میں سے ایک چیز، ایک رویہ یا کردار اختیار کرنا ہو تو وہ لاشعوری طور پر فطرت کے تقاضوں کے ہم آہنگ رہنے کی خواہش کے ساتھ، مذہب کے رنگ کو ہی اختیار کرتا ہے۔ وہ اسے نئے نئے نام دیتا ہے۔ مذہبی کہلانے سے بھی بعض اوقات کتراتا ہے لیکن اپنے شعور، وجدان اور شخصیت کے رنگ و آہنگ سے مذہب کو نکال باہر نہیں کرسکتا۔ کسی کو بھی بیٹا یا بھائی کسی اور نظریے نے نہیں دیا۔ یہ خدا سے تعلق کے مختلف اظہار ہیں۔[۶]

ان رشتوں کو جس انداز، جس قوت جس محنت اور جس جذبے سے مذہب مضبوط کرتا ہے کوئی معاشی خوشحالی، ٹیکنالوجی کی ترقی، سائنس کا عروج یا سول سوسائٹی کا کسی طرح کا کردار ایسا کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ دنیا میں ہونے والی تبدیلیاں خاندان کو متاثر کرتی ہیں اور خاندان پر مختلف اثرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے صدمات انسان کو پریشان کرتے ہیں۔ اگر انسان اکیلا ہو تو ان کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ خاندان Shock Absober کا کام کرتا ہے۔ مذہب وعقیدہ اس میں معاونت کے گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ایک ہی مذہب اور مکتب فکر پر مشتمل خاندان بہت سکون اور طمانیت بھری زندگی گزارتے ہیں اور جن افراد کی زندگی میں لامذہبیت اور لادینیت کا رجحان ہو وہ غیر مطمئن اور پریشان زندگی گزارتے ہیں۔

مذہب اور خوشحال زندگی کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں ایک سروے میں بتایا گیا کہ چرچ باقاعدگی سے چرچ میں جانے والے خاندانوں میں زیادہ معیاری زندگی ملتی ہے اور ان کے بچے زیادہ بہتر اخلاقی کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اپنے والدین اپنے بچوں کی بہت زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کا تحفظ کرتے ہیں۔ ان بچوں کا اپنے والدین سے تعلق بھی بہت گہرا اور مضبوط ہوتا ہے۔ یہ ہم آہنگی بہت سے مسائل کا حل سر اٹھانے سے پہلے ہی تجویز کردیتی ہے۔

کیتھولک چرچ ہارڈنگ جو The Catholic Faith نامی میگزین کے ایگزیکٹو ایڈیٹر فادر جان ہارڈنگ اپنے ایک لیکچر میں جو اس میگزین کے جنوری 1999ء کے شمارے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں:

> ہم تیسرے ہزاریے میں داخل ہونے کے بعد بھی اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کررہے ہیں جو خاندان کے بارے میں ہم پر عائد ہوتی ہے۔[۷]

لیکن اب ہمیں اپنی توجہ اس بڑھتے ہوئے خطرے کی جانب موڑنا پڑی ہے جو ان دنوں میں خاندان کو درپیش ہے۔ کسی نے بھی ان خطرات کے بارے میں اتنی قوت سے نہیں لکھا جس قدر ہمارے موجودہ مقدس باپ پاپ جان پال نے لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خطرات محض زبانی یا بہت زیادہ اعلیٰ ترین سطح پر منظم نہیں ہیں۔ اب انہیں قانونی طور پر جائز قرار دیا جارہا ہے۔ انہیں درست کہا جارہا ہے۔[۸]

۶۔ مرزا محمد الیاس، مذہب اور خاندان: نوعیت واثرات، ماہنامہ آئین جلد ۴۲ شمارہ ۱۱۱ کتوبر ۲۰۰۴ء ص ۱۲۵۔۱۲۶

۷۔ کیتھولک چرچ ہارڈنگ ''فیملی'' (The Catholic Faith) جنوری۔فروری 1999ء

۸ The Ohio Stake University (Survey) 17-Sept-2003

جان ہارڈ نگ نے اپنے اس لیکچر میں یہ تجزیہ بھی پیش کیا ہے کہ میں نے 14 برس کی عمر میں کارل مارکس کو پڑھنا شروع کیا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ خاندان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ وہ کہتا تھا کہ خاندان کچھ نہیں سوائے اس کے کہ یہ مردوں کی اجارہ داری ہے۔[۹]

مشہور مغربی مفکر ول ڈیورانٹ اپنی تصنیف نشاط فلسفہ میں ''ہمارے بدلتے ہوئے اخلاق کے اسباب'' کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

> ''مذہب کے سخت گیر اخلاقی نظام کی جگہ ایک آزاد روح کے لیے آزاد لذتوں کے نظام نے لے لی ہے۔ ہماری تعطیل کا دن جواب آرام وسکون اور عبادت کا نہیں رہا بلکہ آوارگی اور لامحدود فطری تردید مذہب کے ساتھ غیر متوقع طور پر تعاون کیا ہے۔''[۱۰]

خاندانی نظام کو درپیش خطرات

آج دنیا کو خاص طور پر اسلام کے خاندانی نظام کو جو سب سے بڑا خطرہ درپیش ہے وہ اللہ اور اس کے خدائی نظام سے تیزی سے غفلت کا شکار ہونے والا معاشرہ ہے۔ہمیں اپنے عقیدے نے ہی اس نظام کو مضبوط کرنے کے راستے دکھائے، انسان کو انسان سے جوڑنے پر آمادہ کیا۔ خاندان کے سب رشتوں کو ایک دوسرے کے خیال کا حکم دیا۔ ایک دوسرے کے لباس اور ایک دوسرے کی حیا بن جانے کا خوبصورت فلسفہ سکھایا۔ ایک دوسرے کی مخالفت اور تصادم کی راہ اختیار کرنے سے منع کر دیا۔خاندان کو ایک ایسے محبت کے قلعے میں بدل دیا جو اپنے مکینوں کو تمام خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ مگر آج اسی قلعے کو تباہ کرنے کے لیے پورے وسائل جھونک دیے گئے ہیں۔ہمیں اس کو تباہ ہونے سے محفوظ رکھنا ہے۔

ممتا کا تربیتی ادارہ؛ طوفانوں کی زد میں

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ معاشرے کا حسن، وقار اور استحکام کا راز ماؤں کی پرخلوص جدوجہداور لازوال قربانیوں میں پنہاں ہے۔ اگرچہ ایک حقیقی اسلامی معاشرے کے اندر عورت اپنے ہر روپ میں ہر لحاظ سے تحسین وتکریم کے مراتب پر فائز ہوتی ہے۔ماں کو جو عظیم مقام و مرتبہ اسلام نے عطا کیا ہے اس کی بنیادی وجہ اس کا وہ کردار ہے جو ماںتا کے روپ میں ادا کرتی ہے۔ اسلام واشگاف الفاظ میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ ایک عورت صرف ماں کی شکل میں ہی قوم کی معمار کہلاتی ہے۔ یہ ماں ہی ہوتی ہے جو ایک مصور کی طرح محبت ، رحمت، شفقت ،مودت اور ہمدردی کے حسین جذبات سے رنگوں کا کام لے کر زندگی کے کینوس میں رنگ بھرتی چلی جاتی ہے۔ممتا کی یہ قوت اس قدر قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اورصفت رحمت میں زیادہ حصہ ماں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

جب اللہ رب العالمین نے یہ کائنات تخلیق فرمائی ،آپ نے سو 'رحمتیں' بھی پیدا فرمائیں اور ان میں سے ایک رحمت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر نازل فرمایا اور ماں کے دل میں بچوں کے لیے رحمت کا جذبہ اسی ایک رحمت سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

---

۹ The Catholic Faith Magazine Father John Harding Jan-Feb-1999

۱۰۔ ول ڈیورانٹ، نشاط فلسفہ، ص۱۱۰

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں ممتا کو اس قدر اہمیت کیوں حاصل ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا خالق ہے کو معلوم ہے کہ یہ صرف ماں ہی ہوتی ہے جو ایک حقیقی اور صحت مند، مسلمان امت کو نشوونما اور پرورش کرسکتی ہے، یہ ان کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات کی روشنی میں اپنے بچوں کو پروان چڑھائے اور اس کے صلے میں جنت اس قدموں تلے بچھادی جاتی ہے۔

ایک ممتا جن فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہوتی ہے وہ کار نبوت سے ملتی جلتی ذمہ داری ہے۔ ماں کی گود بچے کے لیے ابتدائی مدرسے کی حیثیت رکھتی ہے جس کے اثرات بچے کی ذہنی اور نفسیاتی شخصیت کا مستقل حصہ بن جاتے ہیں۔

> ''آج مغربی معاشرے کی تصویر ہمارے سامنے ہے، وہ اس ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہاں پر عورت انسان سازی کی بنیادی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہوچکی ہے۔ وہ اس کو اپنے لیے اعزاز اور رحمت کے بجائے ایک بوجھ اور بے مقصد ذمہ داری سمجھتی ہے۔ آج مغرب میں بچوں کو فخر اور انبساط کے ساتھ دنیا میں لانے اور پھر مکمل ذمہ داری اور خلوص کے ساتھ اس کی پرورش کرنے کے بجائے کبھی اس کا اسقاط کیا جاتا ہے، کبھی معصوم روح کو گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا ہے اور کبھی خاندانی منصوبہ بندی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ممتا اور بچوں کی پیدایش کے حوالے سے اس قدر غیر ذمہ دارانہ رویوں نے مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے نوجوانوں کے ایسے گروہوں کو جنم دیا ہے جو یا تو والدین میں سے کسی ایک سے محروم ہوتے ہیں یا ان دونوں کی موجودگی کے باوجود یتیم اور مسکینوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ اپنی راتیں سڑکوں پر بسر کرتے ہیں، جسمانی تشدد کا شکار رہتے ہیں اور بھوک اور سخت سردی کے تھپیڑے برداشت کرتے ہیں۔ گویا سائے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور زندہ درگور ہو کر موت کی تاریکیوں میں گم ہوجاتے ہیں۔''[۱۱]

آج ماں بچوں کی صورت گری کے بجائے زیادہ تر توجہ اپنے کیریئر اور پیشے پر دیتی ہے اور اس مقصد کے لیے اکثر اوقات بچوں کی پرورش جیسی اہم اور بنیادی ذمہ داری کو یکسر چھوڑ دینے یا بھلا دینے کے لیے بھی تیار رہتی ہے۔ وہ اپنی ذاتی پیشہ ورانہ زندگی میں کامیابی کے حصول کے لیے بچوں کو ایک بہت بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمان مائیں بھی اس رستے پر چل رہی ہیں۔ اپنے پیشے کی خاطر وہ بھی اپنے گھر اور بچوں کو قربان کرنے پر تیار ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ان کو اس رویے کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ اس لیے مسلمان مائیں اپنے بچوں کو مخلص مسلمان اور تہذیب یافتہ انسان بنانے کے لیے ان کی پرورش کی ذمہ داری کو اپنے لیے تفاخر اور اعزاز کا ایک ذریعہ سمجھیں۔ آج مسلمان ماؤں کو یہ حقیقت قطعاً نہیں بھولنی چاہیے کہ ان کی نجات اور ابدی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اپنے بچوں کی پرورش اسلام کی پھیلائی ہوئی روشنی میں کی جائے۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو غلط اور صحیح، نیکی اور بدی اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا سکھائیں۔ ان کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو حقوق اور فرائض کا واضح تصور دیں۔ ماں اپنے بچے کی زندگی میں ابتدائی مدرسے کی

---

۱۱ Report International Muslim Women Union Oct-2003, P-13

حیثیت سے نہ صرف ان کی پرورش کے لیے جواب دہ ہوتی ہے بلکہ وہ ان کو اسلام کی بنیادی و اخلاقی اقدار سکھانے کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے تا کہ ان کے بچے صحیح معنوں میں اعلیٰ اسلامی اقدار اور روایات کے علمبردار بن سکیں۔ مائیں صرف بچوں کی جسمانی نشوونمااور ضروریات پورا کرنے کے لیے جوابدہ نہیں ہوتیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ بچوں کی تعلیمی، اخلاقی اور فکری ضروریات کو پوری کرنے کی بھی پابند ہوتی ہیں۔ ایک مستحکم خاندان ایک مضبوط اور مستحکم معاشرے کے قیام کی ضمانت دیتا ہے اور اس کی چابی ماں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بچوں کی پرورش اور نگرانی کے حوالہ سے ماؤں کو اپنی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر آگاہ ہونا چاہیے کیونکہ اس حوالے سے ان کو اپنے رب کے سامنے بھی جواب دینا پڑے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ﴾ ۱۲

''اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم رحم کے تعلق جوڑتے ہو۔''

سرکاری اور غیر سرکاری فیصلہ ساز تنظیمیں اس حوالے سے بہت بڑا کام کر سکتی ہیں۔ خواتین کو اس بابت باقاعدہ تربیت دی جاسکتی ہے کہ ایک صحت مند انسانی نسل اور معاشرے کی تشکیل اور نشوونما کیسے کی جاسکتی ہے۔ ان کو یہ تربیت ورکشاپوں کے ذریعے دی جاسکتی ہے۔

اسلام اس لیے بھی ممتا کے اس عظیم منصب کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ اگر بچوں کی جسمانی، ذہنی اور فکری نشوونما کے لیے مناسب تعلیم و تربیت اور فنون کا سہارا نہ لیا جائے، تو وہ آسانی کے ساتھ اجنبی تہذیب اور طرز زندگی کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔ آج کا یہ بچہ کل کا مستقبل ہے۔ اسلامی تہذیب کا درخشاں مستقبل آج کے دور میں بچوں کو دی جانے والی تعلیم و تربیت کی مضبوط بنیادوں پر منحصر ہے۔ صرف اور صرف یہ بات ہی مستقبل میں احیائے اسلام کی ضمانت بن سکتی ہے کہ بچے اور ان کی مائیں اسلام کو ایک جامع نظام زندگی کے طور پر سمجھ جائیں اور اب تو اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ ہماری قسمت کی شب تاریک کو منور کرنے اور مضبوط معاشرے کے قیام کے لیے صرف مائیں ہی نوید سحر بن سکتی ہیں اور صرف ممتا کا مستحکم ادارہ ہی ہمارے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے ایک پورا باب امومت پر باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

درمعنی ایں کہ بقائے نوع ازامومت است ،وحفظ واحترام امومت اسلام است . ۱۳

امت کی بقا ممتا میں پوشیدہ ہے اور ممتا کی بقا اسلام کے سوا کچھ نہیں۔

خاندان کا مستقبل بچانے کے لیے ممتا اور ماں کو محفوظ رکھنا اور بچانا معاشرے کا بنیادی فرض ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ مشاہدہ عام ہے کہ اگر ماں وفات پا جائے تو خاندان منتشر ہو جاتا ہے، بکھر جاتا ہے مگر باپ وفات پا جائے تو عورت خود تو دکھ کی چادر اوڑھ لیتی ہے مگر یہ غم اسے اور بھی مضبوط بنا دیتا ہے اور وہ اپنی اولاد کو سنبھال کر خاندان بچا لیتی ہے۔ قدرت نے یہ صلاحیت صرف عورت کو ہی دی ہے کہ وہ خاندان کو جوڑ کر رکھتی ہے۔ مرد میں اس قدر قوت برداشت ہی نہیں ہے کہ وہ مختلف دباؤ برداشت کر کے خاندان کو جوڑ سکے۔ آج کی میڈیکل سائنس نے بھی یہ بات ثابت کی ہے کہ اللہ

۱۲۔ النساء۴:۱

۱۳۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی) رموز بے خودی، ص۱۵۶

تعالیٰ نے اپنی صفت تخلیق عورت کو عطا کر کے اسے اتنی قوت برداشت عطا کی ہے کہ زچگی کے وقت کی تکالیف کا دسواں حصہ بھی اگر کسی مرد کو ہوجائے تو وہ اس شدت تکلیف سے مر جائے۔

عورت کی ملازمت اور اس کے اثرات

محققین نے ۱۹۷۰ء میں پیدا ہونے والے لوگوں کی درسگاہ میں ترقی کے بارے میں بیان کیا ہے اور ان خاندانوں میں کم قابلیت دیکھی ہے جن خاندانوں میں مائیں فل ٹائم کام کرتی ہیں۔

جوزف رونٹری فاؤنڈیشن کے مطالعہ کے مطابق جو ۱۲۰۰ جوان لوگوں پر مشتمل ہے کہ جہاں مائیں فل ٹائم کام کرنا شروع کر دیتی ہیں ان کے بچے اے لیول مشکل سے ہی پاس کر پاتے ہیں.....سکول میں پڑھنے والے بچوں اور ان کے والدین جو فل ٹائم کام کرتے ہیں اس میں بھی آپس میں ایک تعلق موجود ہے۔ جس کی وجہ سے نوجوانی میں کافی سارے نفسیاتی مسائل بڑھ کر غلط صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اگرچہ باپ کے کام کے طور طریقے لوگوں کی کامیابی پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ محققین کہتے ہیں کہ ماں کی ملازمت اس سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن جہاں ماں باپ پارٹ ٹائم کام کرتے ہیں۔ وہاں اس قسم کے منفی اثرات کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ مشہور محقق فل ٹائم کام کرنے کے اس سوالیہ نشان کا جواب تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک ریسرچ کے مطابق جہاں ایک پری سکول کے بچے کی ماں ایک سال سے زیادہ اندازے کے مطابق 18 ماہ کام کرتی ہے، وہاں اس بچے کا اے لیول پاس کرنے کا چانس 12% کم ہوجاتا ہے اور بعد میں کام کاج سے دوری 2% ہوجاتی ہے اور فل ٹائم کام کرنے والی ماؤں کے بچے جوان ہوتے ہیں تو ان میں پریشانی لاحق ہونے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

''ان ماؤں کے بچے جو پارٹ ٹائم کام کرتی ہیں ان کے اے لیول میں کامیابی کے چانس 6% کم ہوجاتے ہیں، لیکن نفسیاتی مسائل میں بھی 2% تک کمی آجاتی ہے۔''[۱۴]

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روزگار کی پالیسی میں جس طرح ماں باپ کی چھٹیوں اور زچگی کے دوران چھٹیوں کی بہت حد تک حمایت کی جاتی ہے کیونکہ ماں باپ کا زیادہ تر وقت اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا کل کے ان معماروں کے لیے بہت بہتر ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دو معاوضے لینے والے جوڑے اور پڑھنے والے بچوں کے حق میں گورنمنٹ کا ٹیکس اور فائدہ دینے والا نظام کتنا غلط ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ماں باپ کو اس معاملے میں آزاد ہونا چاہیے کہ وہ ایک کام پر دوبارہ جائیں گے۔ بچوں پر ان کے خاندان کا اور ان کے اردگرد کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے۔ کافی ماؤں کے لیے فل ٹائم کام کرنا ایک ضرورت ہے، طرز زندگی نہیں ہے، ہمیں امید ہے کہ یہ ریسرچ ان کو مارنے کے لیے چھڑی کے طور پر استعمال نہیں کی جائے گی۔

ایک مطالعہ کے مطابق جو سوشل اور اکنامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا کہا گیا ہے کہ وہ بچے جن کی مائیں فل ٹائم کام کرتی ہیں وہ بچے جب سکول میں جاتے ہیں تو ان کی جذباتی نشوونما بہت سست روی کے ساتھ ہوتی

۱۴۔ بی بی سی، بدھ، ۱۴ مارچ ۲۰۰۴ء

ہے اور ان کے پڑھائی اور حساب کے ٹیسٹ میں نمبر بھی کم آتے ہیں۔اس کا نقصان پرائمری سکول سے شروع ہوتا ہے اور نوجوانی تک قائم رہتا ہے۔کم تعلیم کی وجہ سے زندگی میں شروع ہی سے بے روزگاری آجاتی ہے اور بچوں سے لگاؤ بھی ختم ہوجاتا ہے۔

ایک ماں کا کام کی طرف جلدی آجانا اس کے بچوں کا اے لیول میں جانے کا چانس60% سے 50% تک کم کردیتا ہے۔ایک مطالعہ کے تحت جان ارمش اور مارکوفرانسکونی (پروفیسر ایسیکس یونیورسٹی) نے کہا کہ باپ کے کام کاج کے اوقات اس پر کم اثر انداز ہوتے ہیں۔

برطانیہ میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچے کی پہلی سالگرہ یا پانچ سال کی عمر سے ماؤں کا فل ٹائم کام کرنا بچوں پر اثر ڈالتا ہے۔سمندر پار مطالعات میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ پہلے سال کام پر جانا بچے پر برا اثر ڈالتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس قسم کے حالات ان بچوں پر کم اثر انداز ہوتے ہیں جن کی مائیں اچھی پڑھی لکھی ہوتی ہیں ، پھر اس کا گھر کے اخراجات پر بھی اچھا اثر ہوتا ہے اور شروع کے سالوں میں برے اثرات کم ہوجاتے ہیں۔

نیشنل فیملی اور پیرنٹنگ انسٹیٹیوٹ نے کہا کہ حالیہ مطالعہ کے مطابق کام کرنے والی ماؤں کے اوقات بچوں کی نشوونما پر کوئی اثر نہیں ڈالتے۔ایک ترجمان نے یہ کہا ہے کہ یہ بحث کافی عرصے سے یونہی بلاوجہ گردش کرتی آرہی ہے۔جس سے کام کرنے والے ماں باپ کی عزت نفس اور احساس جرم کا اثر دیکھا گیا ہے۔بہت سارے لوگوں کا فل ٹائم یا پارٹ ٹائم کام کرنے کا رجحان بنیادی طور پر مالی وجوہات کی بناء پر ہے۔

دوسری تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ زیادہ وقت کام کے دوران اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا پسند کرتے ہیں ، ہم لوگ یورپ میں دیر تک کام کرتے ہیں اور انسٹیٹیوٹ یہ چاہتے ہیں کہ اسے تبدیل کیا جائے۔

بغیر کسی شک وشبہ کے بہت ساری ایسی خواتین ہیں جو کام نہ کرنا یا پھر پارٹ ٹائم کام کو ترجیح دیتی ہیں ، لیکن یہ ترجیحات ان کے لیے نہیں ، ماں باپ بہت سارے ایسے نت نئے طریقے ڈھونڈتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزار سکیں ، جیسا کہ شفٹس میں کام کرنے والے ماں باپ کرتے ہیں۔۱۵؎

بچوں کی ذہنی نشوونما پر اثر:

ایک اور تجزیے کے مطابق ماں کا جلد ملازمت پر لگ جانا بچوں کی ذہنی نشوونما پر برا اثر ڈالتی ہے۔ہم یہ جانتے ہیں کہ مائیں جو 30 گھنٹوں سے زیادہ کام کرتی ہیں جب کہ اس وقت ان کے بچوں کی عمر9ماہ کی ہوتی ہے ، وہ بچے ایک اندازے کے مطابق جب 3سال کے ہوتے ہیں تو وہ سکول میں لکھنے پڑھنے کے امتحان میں اتنے اچھے نہیں ہوتے۔کولمبیا ٹیچرز کالج کے بروکس گن کہتے ہیں کہ دوسرے کام جو ہم نے کیے ہیں ، ہم نے فل ٹائم ملازمت کرنے والی ماؤں کے بچوں پر بڑے برے اثرات پڑتے ہوئے دیکھا ہے جب کہ ان بچوں کی عمر 7یا8ماہ کی تھی۔ڈاکٹر بروکس گن نے کہا جب تک بچہ

۱۵۔ John Corol سوشل افیئر زایڈیٹر، گارڈین Co.UK، جمعہ، ۱۴ نومبر ۲۰۰۳ء

ایک سال کا نہیں ہوجاتا اس وقت تک اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

چائلڈ ڈیولپمنٹ میگزین میں ایک نیا مضمون شائع کیا گیا ہے جس کی بنیاد بچوں کی نگہداشت پر مبنی ہے اور یہ تمام حقائق نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف چائلڈ ہیلتھ اور ہیومن ڈیولپمنٹ کی طرف سے جاری کردہ ہیں۔ جس میں تین سالوں میں دس شہروں کے ایک ہزار بچوں کو ماں سے لگاؤ، گھر کے ماحول، بچوں کی نگہداشت کے لیے وقت اور بچوں کی نگہداشت کی خاصیت کو پرکھا گیا۔

کولمبیا سکول آف سوشل ورک کے جنین ورلڈ فوگل جو مصنف بھی ہیں کہتے ہیں کہ ماں اور باپ کو کافی سارے معاملات میں توازن برقرار رکھنا پڑتا ہے، لیکن اگر یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ماں زیادہ تر گھر پر رہے اور کوئی بھی پارٹ ٹائم کام کرے تو یہ بہت اچھا ہے۔

نیشنل انسٹیٹیوٹ برائے ترقی بچگان کی رپورٹ کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ جو بچے ڈے کیئر سنٹرز میں اپنا زیادہ تر وقت گزارتے ہیں وہ زیادہ غصے والے ہوتے ہیں اور ان کے رویہ میں کافی ساری غلط باتیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق اس قسم کے حالات میں کوئی خاص تبدیلیاں نہیں دیکھی گئیں۔

ایک اور تجزیئے کے مطابق 55% مائیں بچے کے ہونے کے 3 ماہ بعد کام پر چلی گئیں۔ 71%، 6 ماہ بعد اور 75%، 9 ماہ بعد۔[۱۶]

شادی سے گریز

اسلام کے خاندانی نظام کو درپیش خطرات میں ایک اہم خطرہ شادی سے گریز کا کلچر بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ مغرب کا مسئلہ تھا جہاں کی سرکاری پالیسیوں اور پروگراموں کی وجہ سے افراد شادی کے بغیر اکٹھے رہتے ہیں اور مالی منفعت اور سود وزیاں کے چکر میں ایک دوسرے کی ذمہ داری لیے بغیر وقتی گزارا کر کے پریشانیوں میں تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ وہاں پر ٹوٹے خاندانوں کے پریشان حال افراد کی تعداد میں بھیانک حد تک اضافہ ریکارڈ ہو رہا ہے۔

امریکہ میں ریاستی اور وفاقی پالیسیوں سے یہ توقع وابستہ کی جارہی ہے کہ وہ شادی اور شادی کرنے کے فیصلوں پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں گی۔ اس سلسلے میں امریکہ میں ایک باقاعدہ قانون موجود ہے۔

جسے Personal Responsiblity in work Opportunity Reconciliation Act (Prwora) کہا جاتا ہے۔ جس کے مطابق خاندان کو والدین اور اولاد یعنی ماں اور باپ پر مشتمل ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں حکومت ذمہ دار ہے کہ وہ والدین پر مشتمل خاندان بنائے اور اسے مستحکم کرنے کی پالیسیاں اختیار کرے۔

اسی ایکٹ کے تحت وہاں ایک ادارہ ویلفیئر انفارمیشن نیٹ ورک (WIN) بھی کام کر رہا ہے جو قانون کے ذریعے شادی کو بچانے اور والدین کو بچوں کے پاس رکھنے کا حامی ہے۔ اس ادارے کا موقف ہے کہ ٹیکس پالیسی بچوں کی نگہداشت

۱۶۔ نیویارک ٹائمز، ۱۷ جولائی ۲۰۰۲ء (تامار لیوائن)

کی ضرورت، طلاق کے قوانین اور دیگر ذرائع استعمال کرکے اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ قومی سرمائے میں سے شادی اور خاندان توڑنے والوں کو کچھ مدد نہ ملے۔مغربی معاشرے میں شادی کی اہمیت اور اسے قائم رکھنے کے لیے بہت سے ادارے بنائے گئے ہیں تاکہ کامیاب شادیوں اور مضبوط خاندانوں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح اور تعمیر وترقی کو ممکن بنایا جا سکے۔ میڈیا کے ذریعے شادی کے پروگرامات ،شادی کی رسومات اور شادی کو گلیمرائز کرکے پیش کیا جاتا ہے تاکہ معاشرے میں افراد کو ترغیب دی جا سکے۔ ۱۷

شادی سے گریز کا یہ کلچر مغرب سے مشرق کی طرف بھی بڑی تیزی سے آ رہا ہے۔ ایشیائی نوجوانوں میں بھی ذمہ داریوں کے جھنجھٹ سے آزاد فکر پروان چڑھ رہی ہے۔جس کا ابھی تدارک کرنا ضروری ہے۔

محبت اور وفا سے بھرپور رشتوں سے بنا ہوا خاندان معاشرے کے استحکام کی ضمانت ہے جو بے خانماں افراد کو خوشحال گھرانے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ خاندان کی تشکیل بہت سے نفسیاتی عوارض کا علاج بھی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے !

﴿وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً﴾ ۱۸

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔''

اللہ رب العالمین کے اس نظام فطرت سے بغاوت کے نتیجے میں کرہ ارض فساد کی لپیٹ میں ہے۔ہمیں واپس اس نظام کے سایہ عاطفت میں لوٹنا ہے تاکہ ہم اپنی اس دنیا کو محبت اور سکون سے بھر سکیں۔آج کے دور میں ہمارے معاشرے میں نئے بھی رجحانات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ شادی کے رجحانات میں کمی ہو رہی ہے۔ یہ رجحان صرف نوجوان مردوں ہی میں نہیں بلکہ ہماری جدید تعلیم یافتہ خواتین میں بھی بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ 'کیریئر (Carier)' ہے۔ لازمی بات ہے کہ جو نوجوان تعلیم کے حصول میں اپنے پچیس تیس سال صرف کرے گا اس کے ذہن میں مستقبل کا جو نقشہ بنتا ہے اس میں شادی اور خاندان ایک ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کی جدید تعلیم یافتہ خواتین بھی اپنے مستقبل کو معاشی جدوجہد اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار زندگی کے حصول کے تناظر میں دیکھتی ہیں۔ اعلیٰ ملازمت، پرکشش مراعات اور دیگر مالی فوائد اس کے لیے شادی اور خاندان کی تشکیل میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔عمر کا بہترین حصہ وہ اسی کے حصول کی نذر کر دیتی ہیں اور جب عمر بڑھنے لگتی ہے اور رشتوں کا ملنا محال ہو جاتا ہے تو سوائے تاسف اور مایوسی کے اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔

مغربی معاشروں میں اب حالت یہ ہے کہ فی ہزار صرف ۴۰ افراد شادی شدہ ہوتے ہیں باقی شادی کے بغیر ہی اکٹھا رہتے ہیں۔ یہ شرح ۳۰ برسوں میں ۳ گنا ہو گئی ہے اور شادی کے بغیر جو جوڑے اکٹھے رہتے ہیں ان کا تعلق بھی بہت مختصر

۱۷۔ شادی اور خاندان کی تشکیل، ماہنامہ آئین، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۱۹

۱۸۔ الروم: ۳۰:۲۱

مدت کے لیے ہوتا ہے۔

ماہرین عمرانیات اسے معاشرے کے لیے نقصان دہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ شادی کے بغیر اکٹھا رہنے کے پیدا کردہ مسائل بے شمار ہیں۔ وہ دو وجوہات بیان کرتے ہیں:

1۔ یہ تعلق مختصر مدت کے لیے ہوتا ہے۔ اس قدر مختصر مدت کہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پاتے۔

2۔ تحقیق و مطالعے سے معلوم ہوا کہ اس طرح شادی کرنے والے جلد ہی طلاق دے دیتے ہیں۔ باقاعدہ طریقوں کے مقابلے میں اس طرح شادی کرنے والے لوگوں میں طلاق کی شرح دوگنی ہے۔[۱۹]

اکیلی ماؤں کا مسئلہ

مغرب میں ایسے خاندانوں میں اضافہ ہو رہا ہے جن میں والد موجود نہیں ہوتا اور بچوں کا سارا بوجھ عورت پر ڈال دیا گیا ہے۔ مرد یا تو کہیں دوسرا سہارا تلاش کرتا ہے یا وہ خاندان سے بالکل لاتعلق ہوجاتا ہے۔ مرد کی لاتعلقی کی وجہ سے وہ خاندان عدم استحکام کا شکار ہوجاتا ہے۔ مرد بنا ہی اس لیے ہے کہ وہ خاندان کو چلائے جذبات و احساسات کی دنیا میں دوسروں کا احترام کرے۔ اس کا احساس اور اس کا تحفظ ہی خاندان کا حصار ہے۔ اگر وہ گرے گا تو خاندان کا حصار ٹوٹ جائے گا۔ اگر مرد اپنی ذمہ داریوں سے ہاتھ کھینچ لے تو عورت کو گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ جب ماں گھر سے باہر نکلتی ہے تو سب سے زیادہ اثر اس کی اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد کی تعلیم پر اثر پڑتا ہے اور معاشرہ ایسے افراد سے محروم ہوجاتا ہے جو اہلیت رکھنے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں۔

آبادی میں بوڑھے لوگوں کا اضافہ

(OECD) کے مطابق 1990 میں بوڑھے لوگوں کی شرح ان لوگوں کے مقابلے میں (جو کام کر رہے تھے) 19% تھی۔ 2030ء میں شرح دوگنی ہوکر 38% ہوجائے گی۔ اگر موجودہ رجحان برقرار رہے تو اس مدت میں مکمل انحصار کرکے زندگی بسر کرنے والے کل آبادی کا 40 فیصد ہوجائیں گے۔ پروفیسر (David Popene) اس تبدیلی کو پانچ حصوں میں بیان کرتے ہیں۔

1) طلاق کی شرح اور شادی کے بغیر بچوں کی پیدائش و پرورش سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شادی شدہ ماں باپ اور بچوں کا یونٹ یعنی خاندان آہستہ آہستہ بکھر رہا ہے۔

2) خاندان اپنے ابتدائی معاشرتی کام سرانجام دینے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ان اعمال میں آبادی کی سطح کو برقرار رکھنا، جنسی رویوں کو درست کرنا، بچوں کو شہری اور معاشرتی حوالوں سے تربیت دینا اور خاندان کے افراد کا خیال رکھنا شامل ہیں۔

3) خاندانوں سے اختیار اور اثرات خاندان سے باہر کے اداروں کو منتقل ہو رہے ہیں، ان میں سکول، اساتذہ کی تنظیمیں، میڈیا اور ریاست اہم ہیں۔

۱۹۔ ماہنامہ آئین شمارہ ۱۱، جلد ۴۲، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۹

4) چھوٹے اور غیر مستحکم خاندانی یونٹ بن رہے ہیں۔

5) خاندانی زندگی روبہ زوال ہے اور کلچر میں اس کا حصہ ختم ہو رہا ہے۔ اسی طرح سے معاشرتی اقدار سے بھی خاندان دور ہو رہا ہے۔

ان محرکات، عوامل اور تبدیلیوں کے نتائج سامنے رکھیں تو یہ صورت سامنے آتی ہے۔

☆ نوجوانوں میں خودکشی کے رجحان میں تکلیف دہ اضافہ ہوا ہے۔

☆ بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات بڑھ گئے ہیں۔

☆ لڑکپن میں ہی شراب نوشی اور منشیات کا استعمال بڑھ گیا ہے۔

☆ تشدد میں اضافہ ہوا ہے۔

☆ رفاہی فائدوں پر لاگت گزشتہ دو تین عشروں کی نسبت بہت بڑھ گئی ہے۔

☆ حکومت کے اعلانات اور ترغیبات کے باوجود بچے والدین یا خاندان میں سے کسی ایک کی محرومی سے دوچار ہو رہے ہیں اور یہ خاندان معاشرے کے غریب طبقات میں شامل ہو رہے ہیں۔

☆ خاندان ٹوٹ رہے ہیں۔ شادیاں ختم ہو رہی ہیں اور طلاق میں اضافہ ہو رہا ہے۔[۲۰]

تحریک حقوق نسواں کے مضمرات

حقوق نسواں کی تحریک نے خاندان پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے لیے کیمونسٹ تحریک کے علمبرداروں کی تحریریں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایتی خاندان کو نہ صرف عورت بلکہ ہر طبقے کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں اور ان کے طریقہ کار میں عورت کے لیے آزادی کی ایسی بنیادیں کھڑی کی گئی ہیں جن کی عمارت اپنی تعمیر کے لیے اپنی بنیادوں میں مذہب کا خون قربان کرنے کی تعلیم دے رہی ہے۔

فریڈرک اینجلز نے لکھا ہے:

''ایک شادی والے خاندان کی ایک اقتصادی یونٹ کے طور پر معیشت کو پیداواری ذرائع کی تبدیلی نے ختم کر دیا ہے۔ اب نجی گھریلو یونٹ ایک سماجی صفت ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم اب ایک عوامی معاملہ ہے۔ معاشرہ تمام بچوں کی یکساں دیکھ بھال کرے گا خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز۔''[۲۱]

ایڈورڈ کارپینٹر نے لکھا ہے:

''اب کوئی حل سوائے اس کے نظر نہیں آتا کہ عورت کو آزاد کر دیا جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ عوام کو آزادی دے دی جائے۔ مرد کو اور عورت کو آزادی دے دی جائے اور اس طرح سے اقتصادی غلامی کی

۲۰۔ ماہنامہ آئین، جولائی ۲۰۰۴ء، ص ۱۴۱

۲۱۔ Fridedrich Engels, The Origin of the Family, P: 91

ہر شکل ختم کردی جائے۔کوئی ایسا حل موجودنہیں ہے جس میں آزادعورت اور آزادمحبت کی سچی اور صحیح اہمیت بیان کرنے والی اصطلاح موجود ہو۔آیئے ہراس عورت کو آزاد کردیں جس کا دل جنس کے دیے زخموں سے خون کے آنسو رورہاہے۔جس قدر جلد ہوسکے اور جتنی امکانی حد ہو، اسے آزاد کردیا جائے۔آیئے تسلیم کرلیں کہ وہ واقعی آزاد ہے۔اسے یہ حق بھی دے دیں کہ وہ بات کرسکے،لباس اپنی مرضی سے پہن سکے،آزادسوچ اختیار کرسکے اور آزادانہ عمل کرسکے اور سب سے بڑھ کراسے یہ یقین دیں کہ اسے آزادی سونپ دی گئی ہے اور صرف یہی راستہ ہے۔ وہ دکھ بھی خود برداشت کرے اور تضحیک کا سامنا بھی خود کرے۔ اگر وہ پسند کرے تو اپنی زندگی ضائع کردے۔ جب ہم یہ یقین کرلیں گے کہ عورت واقعی آزاد ہوگئی ہے تو پھر عصمت فروشی بھی ختم ہوجائے گی اور ہر مرد کو یہ آزادی ہوگی کہ وہ اپنی ساتھی کی عزت کرے گا اوراس طرح سے عمل بھی کرے گا جواس کی عزت پر منتج ہو۔مرد کو کہا جائے کہ وہ عورت کے ساتھ کبھی ایسا سلوک روانہ رکھے، نہ الفاظ میں نہ عمل میں،نہ اسے کسی سودے میں استعمال کرے جبکہ وہ ایک انتہائی قیمتی تحفہ ہے۔''۲۲

ایک عام پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آزادعورت سے کیا مراد ہے۔ان کا بیان کردہ حل یہ ہے کہ برائی کو اس قدر عام کردیا جائے کہ وہ برائی ہی نہ رہے۔ جوکچھ ایڈورڈ نے کہااس سے زیادہ کیا کہاجاسکتا تھا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں کمیونزم اورتحریک نسواں نے یکساں طور پرعورت کو جو راہ دکھائی وہ آج بھی اس کی عفت وعصمت کے درپے ہے۔

تحریک حقوق نسواں کے خاندان پر اثرات

۶ مئی ۱۹۹۸ء کے ایک تجزیے کے مطابق ،جس میں تحریک نسواں کے خاندان پر اثرات کا جائزہ لیا گیاہے، اس میں کہا گیاہے:

''عورتوں کو ان کے گھروں سے آزادی مل گئی ، انہیں اپنے شوہروں سے آزادی مل گئی ، وہ اپنے بچوں سے آزاد ہوگئیں۔ وہ بچوں کی پرورش سے یکسر آزاد ہوگئیں۔ والد بچوں پر اپنے اختیار سے محروم ہوگئے۔ بچوں کو اپنی حدود کا علم نہ رہا ، وہ قاعدے قانون بھول گئے حتیٰ کہ اپنے والدین کو بھی بھول گئے۔ ساری آبادی اخلاقی اور روحانی معیارات سے آزاد ہوگئی۔لیکن یہ ثابت ہوا کہ یہی وہ قدریں تھیں جنہوں نے سارے معاشرے کو باندھ رکھا تھا۔'خاندانی قدروں' کی اس قدر مذمت کی گئی کہ ہمارے پاس نہ خاندان ہے اور نہ قدریں ہی رہیں۔ اب ہمارے پاس کیا ہے؟ بے پناہ ناجائز بچے اور جنسی بیماریاں ، بڑھتی ہوئی طلاق کی شرح اور ایسے بچوں کی تعداد میں بلکہ نسل میں اضافہ جنہیں پیار کرنے والا کوئی نہیں ،جنہیں نظم وضبط سکھانے والا کوئی نہیں ،جن کا خیال

۲۲ Edword Carpenter, Love's Coming of Age, P: 62-63)

رکھنے والا کوئی نہیں۔'' ۲۳؎

ان حالیہ برسوں میں تحریک نسواں نے ایک نئی جنگ کا آغاز کردیا ہے۔ وہ اسقاط حمل کے حقوق طلب کررہی ہے۔ وہ عورتوں کی ہم جنس پرستی کے لیے حقوق طلب کررہی ہے۔ وہ ماحولیات اور دھوکے بازی کے حقوق کی بات کررہی ہے۔ وہ دن اور تفکرات گئے جب یہ تحریک مساوی تنخواہ کی بات کرتی تھی ، یکساں معیار کی بات کرتی تھی ، انفرادی اظہار رائے کی بات کرتی تھی۔ ان کی جگہوں پر اب عورتیں زیادہ ملامت زدہ ہیں۔ زیادہ نفرت سے دوچار ہیں اور ان کے خلاف زیادہ غم و غصہ کی لہر موجود ہے۔

جنگجو فطرت کی حامل عورتوں نے اب اس تحریک میں مکمل اختیار حاصل کرنے کے لیے نیا میدان چن لیا ہے۔ یہ تولید کا شعبہ ہے۔ ان جنگجو عورتوں نے اسقاط حمل کو ہی اپنی ساری جدوجہد کا محور و مرکز بنالیا ہے۔ اس طرح وہ یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ اقتدار اور قوت ان کے پاس ہے اور وہ کسی طرح سے بھی اب مردوں کی بالادستی قبول نہیں کریں گی۔ وہ کہتی ہیں کہ خوش رہنے کے لیے لازمی نہیں کہ مرد کا ساتھ ملے۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان پر کسی بھی طرح سے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرسکیں۔ مردان پر کنٹرول حاصل کریں۔

بچے اور مجرمانہ رویہ

عورت جو خاندان کی بنیادی اکائی میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے خاندان پر معاشی دباؤ بہت بڑھادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان کی بنیادی مرکزی اکائی (عورت) گھر کی چاردیواری سے نکلنے پر مجبور ہوگئی ہے اور اس کے نتیجے میں ایک نیا اور برائے نام 'افضل خاندان' کی بنیاد پڑی اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو کسی قسم کی سماجی اقدار و روایات و اخلاقیات وغیرہ کا روادار نہ تھا اور دوسری طرف بناوٹی آزادی اور شدید انا پرستی کا شکار تھا۔

اس بے راہ روی نے خاندان کو توڑ پھوڑ دیا ہے اور اس ٹوٹ پھوٹ کا سب سے زیادہ خمیازہ بچوں کو ہی بھگتنا پڑا ہے اس کے نتیجے میں بچوں میں مجرمانہ رویے دیکھے گئے ہیں۔

> ''انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین کی ایک رپورٹ میں والدین کی گرفت سے ماورا بچوں کے غیر شائستہ اور مجرمانہ رویوں کو (Juvenill Deliquency) کے نام سے بتایا گیا ہے اور اس کے لیے جو بنیادی وجوہات بتائی گئی ہیں ان میں خاندانی تعلقات میں کشیدگی ، والدین کے درمیان تشدد پر مبنی تعلقات ، والدین میں سے کسی ایک کی مستقل عدم موجودگی ، معاشی تنگ دستی اور معاشرے میں بڑھتے ہوئے شدید مقابلے کا رجحان شامل ہیں۔ اس رپورٹ کے تحت 1980ء کے عشرے میں ان واقعات میں اضافہ ہوا اس طرح کئی اداروں کی توجہ ان واقعات کی طرف سماجی و خاندانی وجہ سے مبذول ہوئی۔'' ۲۴؎

۲۳؎ The Impact of the Feminism on the Family (www.geremiah Project.com), 6 May 1998

۲۴۔ رپورٹ: 2 تا 5 اکتوبر 2003ء IMWU

اس سے بڑھ کر بری صورت حال کا ذکر ایک اور رپورٹ میں کیا گیا ہے جو کچھ اس طرح سے ہے:

مجھے اس بات سے شدید نفرت ہے کہ کوئی میرا مذاق اڑائے۔لیکن جب وہ میرے اندر بنی ہوئی نفرت کی ان دیواروں سے اپنے والدین، ماؤں، بہنوں، بھائیوں اور دوستوں کے جسم کے لوتھڑے جمع کریں گے تو پھر وہ میرا مذاق نہیں اڑائیں گے۔

یہ الفاظ ۱۵ سالہ کیپ کینکل کی ڈائری میں لکھے ہوئے تھے، جس نے نہ صرف اپنے ہی والدین کو قتل کر دیا بلکہ سپرنگ فیلڈ میں واقع اور یگان ہائی سکول میں جا کر دو درجن سے زائد طلباء کو زخمی کر دیا جس میں دو کی حالت نازک تھی۔۲۵

خاندانی نظام کو درپیش چند قابل ذکر خطرات

موجودہ دور میں جہاں مسلم اور مغربی معاشرت کی کشمکش چل رہی ہے اس حوالے سے اسلامی معاشرہ بہت سے خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ ان کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ مذہبی اور روحانی خطرات

2۔ معاشرتی اور سماجی خطرات

3۔ معاشی خطرات

خطرات کی ایک چوتھی قسم تہذیبی خطرات کی ہے مگر اس موضوع پر اس دوسرے باب کی پہلی فصل میں اظہار خیال کیا جا چکا ہے، اس لیے اسے یہاں دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔

الف: مذہبی اور روحانی خطرات

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔موجودہ دور میں جسم کو پروان چڑھانے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جا رہے ہیں جب کہ اس تناسب سے روح کی پاکیزگی و نشوونما کا انتظام نہیں ہوتا۔جسم کو فربہ کیا جا رہا ہے اور روح فاقہ زدہ ہو رہی ہے۔جسم کو آرام پہنچانے کے نت نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں۔ اس کی آرایش کے لیے بیوٹی پارلر کلچر فروغ پا رہا ہے۔ اس کو غذا فراہم کرنے کے لیے میڈیا پر طرح طرح کھانے پکانے کے پروگرام دکھائے جا رہے ہیں۔ پورے معاشرے میں چٹورپن کی لعنت فروغ پا رہی ہے، ریسٹورنٹ اور ہوٹل کا کلچر فروغ پا رہا ہے۔سرائے اور ہوٹل آباد ہو رہے ہیں اور گھر کا باورچی خانہ ویران ہو رہا ہے اور اسی رفتار سے روح کی پرورش و افزایش سے غفلت برتی جا رہی ہے۔معاشرے سے تقدس اور پاکیزہ اطوار کا خاتمہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ روح کی اصل غذا کو چھوڑ کر موسیقی کو اس کی غذا بنا دیا گیا ہے جس سے وہ اور زیادہ فاقہ زدہ ہو گیا ہے۔ جیسے خراب کھانا جسم کو کھلا کے اسے بیماریوں کی آماجگاہ بنا دیا جاتا ہے۔

1۔ مذہب اور دین سے لاتعلقی:

موجودہ معاشرتی رویوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو ایسی بھیانک تصویر سامنے آتی ہے جو سراسر دین سے باغی

۲۵ Security Management (November 2001)

رویوں کی عکاسی کرتی ہے۔ ہمارا آج کا معاشرہ اپنی دینی اور اخلاقی اقدار و روایات کو ترک کر کے مغرب کے سانچے میں ڈھل چکا ہے۔ ان مغربی اقدار کا اظہار میڈیا کی مادر پدر آزادی اور طاؤس ورباب میں گم معاشرے سے ہو رہا ہے۔ یعنی اسلام دشمن قوتیں مکمل طور پر ہماری مذہبی اقدار کو ملیا میٹ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

اسی اسلام دشمن پالیسی کی وجہ سے آج نہ صرف مغربی معاشرے میں بلکہ تمام تر اسلامی معاشروں میں فتنہ وفساد برپا ہے۔ مغربی تہذیب کی نقالی نے مسلم نظام معاشرت کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر یہی حال رہا اور دین سے دوری اسی طرح سے رہی تو ہمارا معاشرہ مستقبل میں جہالت کی تاریکی میں گم ہوجائے گا جہاں سے چودہ سو سال پہلے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نکالا تھا۔اور جس کے لیے رب العالمین نے ہمیں ہدایت کی۔

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[۲۶]

''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسولؐ کی جو نبی امی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت انجیل میں، وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کا سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو اُن پر تھیں، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت اور اس کی مدد کی، اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان طوقوں اور زنجیروں سے نجات دلانے کے لیے آئے تھے جو صدیوں کی روایات نے انسانوں کی گردنوں میں ڈال دی تھیں مگر ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ان کو دوبارہ اپنی گردنوں میں ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں، اور جس نور سے انسانیت کو ہم نے منور کرنا تھا اس سے خود بھی تہی دامن ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

آج کے اس تہذیبی کشمکش کے دور میں جہاں پر جدیدیت کو بہت فروغ حاصل ہو چکا ہے۔ اللہ کے اس حکم کو بھی ہم بھولتے جا رہے ہیں۔ نہ صرف تفرقہ بازی میں پڑے ہیں بلکہ اسلامی تہذیب و اقدار سے بھی کنارہ کش ہوتے جا رہے ہیں۔ جب تک ہمارے عقیدے اور علم کی طاقت کے ساتھ ساتھ ہمارا ایمان مضبوط نہیں ہوگا ہم نہ صرف دنیاوی زندگی میں اپنا مقام کھو بیٹھیں گے بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و رسوا ہوں گے۔ ہمیں اپنی اسلامی اقدار کو مستقبل میں مغرب کی تہذیبی اور اخلاقی اقدار سے الگ کرنا ہوگا کیونکہ صحیح اسلامی نظریات اور اقدار ہی دراصل ہماری پہچان ہیں۔

2۔ لادینیت کا فروغ

مغربی تہذیب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ چرچ اور ریاست دو الگ چیزیں ہیں جبکہ اسلام مذہب اور ریاست کی

۲۶۔ الاعراف ۷:۱۵۷

یکجائی پرزور دیتا ہے۔ بعض مغربی مفکرین لادینیت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اسلام کے پاس دوسرا انتخاب نہیں ہے۔ جدیدیت کے حصول کے لیے مغربیت کو اختیار کرنا پڑے گا۔ یعنی اسلام کو جدیدیت کے اصول کو اپنانے کے لیے سیکولرازم سے بھی بچنا ناممکن ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مغربی تہذیب سے اگر کچھ سیکھا ہے تو اس کے غلبہ اور برتری کو بھی ماننا ہوگا۔ اگر مسلمان مغربی ماڈل کو قبول نہیں کریں گے تو وہ ٹیکنالوجی حاصل نہیں کرسکتے کیونکہ ساڑھے پانچ سو سال سے اہل مغرب نے جوجوہری توانائی کے انکشافات کیے ہیں اور جو بھی ایجادات کی ہیں، مسلمانان عالم اسے اپنے اسلاف کی میراث سمجھ کر فائدہ حاصل کررہے ہیں۔

مغربی معاشرہ مسلمانان عالم پر اپنی ان ایجادات سے ایسے گہرے نقوش چھوڑ رہا ہے جو مستقل پیمانے پر مادی آسایشوں میں ڈوبے رہتے ہیں اور ماضی سے بے نیاز سوچ اور ایسے لادین معاشرے کو فروغ دے رہا ہے جس کی مستقل تبدیلی وجود میں نہیں لائی جاسکتی۔ لیکن ایسے دانشور بھی موجود ہیں جو اصل صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ خود ممتاز امریکی دانشور اور فیوچر شوک (Future Shock) کا مصنف ایلون ٹوفلر طنز بھرے لہجے میں اپنے ہی کلچر کا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

American's have no past & no future, It is the new generation the pepsi slogan embodied.۲۷

یعنی اپنے ماضی اور مستقبل سے بے خبر محض مادی سہولیات اور لذات کے علاوہ اس نسل کے پاس کیا ہے اور وہ نئی نسل کو کیا دینا چاہتے ہیں۔ یہ سوال بہت اہم ہے اور قابل غور بھی کہ ہم ایسے ہی لا دین معاشرے کے پیچھے اپنے اسلامی نظریہ تہذیب سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں حالانکہ سیکولر عالمی ایجنڈا جس روشن خیالی اور ترقی پسندی معاشرے کو وجود میں لانا چاہتا ہے اس کا ہماری اقدار، روایات اور دستور اسلامی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

قائداعظم نے ۱۹۴۷ء میں بڑے واضح الفاظ میں یہ بنیادی نکتہ پیش کیا تھا:

''انسانیت کی فلاح کے لیے تمام علوم کو کلیت اور وحدت کے نظام میں ڈھالنے کے لیے اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم ہے۔ یہ سب علم ہے اور اس علم کا اہم نکتہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کی نعمتوں اور کارناموں کا حساب لیا جائے گا۔ لہٰذا ہماری زندگی کا اصل نصب العین الٰہی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنا ہے جبکہ بے خدا اور سیکولر تہذیب علم اور انسانی فطرت کے تصور کو بری طرح مسخ کررہی ہے۔ اس تہذیب نے حیوانی جبلت کو انسانی فطرت کے ہم معنی قرار دے دیا ہے۔ اس ادھورے نقطۂ نظر سے کائنات کی نظم و قانون کی توجیہہ نہیں کی جاسکتی اور نہ انسان کے لیے کوئی ایسا مقصد ماسوائے دولت، لذت اور اقتدار کے معین کیا جاسکتا ہے۔'' ۲۸

۲۷۔ سید شاہد ہاشمی معارف فیچر سروس، صفحہ نمبر ۶، شمارہ نمبر ۱۰۲، ۱۶ نومبر ۲۰۰۴ء

۲۸۔ حوالہ؟؟؟؟؟؟؟؟

3۔ علم سے عقیدے کی دوری

دورجدید کی اساس علم پر ہے۔لیکن بد قسمتی سے عقیدہ سے وابستگی اس دور کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ عقیدہ کہ اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور یہ کہ انسان کو اپنے اعمال کی جوابدہی ضرور کرنی ہے یعنی توحید، رسالت وآخرت پرمبنی عقیدہ اس بے چینی و بےسکون اورفساد سے بھری ہوئی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور جس دن بھی اس بیمار معاشرے نے اسے بطور دوا استعمال کیا وہ صحت مند ہوجائے گا۔

اپنے اس عقیدے کی بنیاد پر پہلے بھی مسلمان بار بارنشاۃ اسلامیہ یا احیائے اسلام کی خاطر اٹھے، بڑے بڑے مجددین ومصلحین ان کی راہنمائی کے لیے دستیاب رہےلیکن کوئی بھی تحریک اس لیے کامیاب نہ ہوسکی کہ انہوں نے اپنے عقیدے کی طاقت کوعلم کی طاقت سے آمیزنہیں کیا۔

مستقبل میں بھی احیائے اسلام کی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک عقیدے کوعلم کی طاقت سے ہم آہنگ نہ کیا جائے۔عقیدہ مقصد ہےاورعلم ذریعہ۔عقیدہ ایمان ہے،علم عمل ہے، ایک وسیلہ ہے، ایک ہتھیار ہے۔مغرب میں جتنے بھی غیرمسلم اسلام قبول کررہے ہیں وہ اسلام کےعقیدے کی بناء پر کررہے ہیں۔مسلمانوں کےعلم کی بناء پرنہیں۔اگرنشاۃ ثانیہ لانامقصودمومن ہےتو اس کے لیے پہلے مغرب کی طرح مسلم دنیا کوتحریک احیائے علوم کی دشواریوں سے گزارناپڑے گا جو برس دوبرس کی نہیں چارصدیوں کی کہانی ہوگی۔لیکن خبردار ہوشیارمغرب کی تحریک احیائے علوم جواسے اوج کمال تک لے آئی ہے،آج اس کے زوال کی نشاندہی بھی کررہی ہے۔'' ۲۹

4۔ خواہش نفس کی بے لگامی

خاندانی نظام کے قیام میں رکاوٹ خواہش نفس کا بے لگام ہونا، بے راہ روی اور آخرت سے غفلت ہے۔ اصلاح معاشرہ اور خاندانی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اتباع ھوٰی (ہوس) کے بجائے اتباع ھدیٰ (ہدایت) کےنظریے کو غالب کردیا جائے۔ جب فکرآخرت کا عقیدہ غالب ہوجاتا ہےاورقرآن سے لگاؤ پیدا ہوجاتا ہےتو انسان اپنی خواہشات کو ناجائز طریقوں سے پورا کرنے کی بجائے صرف جائز طریقوں سے پورا کرتاہے۔ تاہم اس ضمن میں دوسری انتہا پر جانے سے گریز کرنا چاہیے کہ بعض اوقات فکرآخرت کے غلبے میں انسان جائز و لازمی سماجی ذمہ داریوں سے بھی بے نیاز ہوجاتا ہے، جو اسلام میں مطلوب نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی شادی ایک خوبصورت خاتون سے کردی گئی۔لیکن انہیں قرآن سے ایسا لگاؤاور اللہ کی بندگی سے ایسا شغف تھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور رات قرآن کی تلاوت میں گزارتے۔ انہوں نے بیوی کو بھلا دیا۔ بالآخر والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاکرحقیقت حال معلوم کی، انہیں بیوی کےحق کی طرف متوجہ کیا اورعبادت میں اعتدال کی راہ اختیارکرنے کی تلقین کی۔'' ۳۰

۲۹۔ سید قاسم محمود،تہذیبی کشمکش اور مسلم نفسیات ،فارایسٹرن اکنامک ریویو،شمارہ ۳۰ستمبر ۲۰۰۴ء

۳۰۔ الجامع الصحيح للبخاری كتاب فضائل القرآن، باب فی كم يقرأ القرآن ،(ح٤٧٦٥)

5۔ فکر آخرت سے غفلت

فکر آخرت سے غافل معاشرہ ،خواہشات نفس کا اسیر ہوجاتا ہے۔تب پہلے تو نکاح کرنے کی طلب و حاجت نہیں ہوتی۔اگر اس کی حاجت محسوس کی جاتی ہے تو محض خواہش نفس کی تسکین کی خاطر ایسا کیا جاتا ہے۔نکاح کے باوجود میاں بیوی آزاد ہوتے ہیں۔دوسرے ذرائع ومواقع سے اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔اس قسم کی شادی جو زنا سے نہ روکے ان ہی لوگوں کا وطیرہ ہے جو زنا کو چھوڑنے اور عفت و پاک بازی کی زندگی گزارنے پر آمادہ نہیں۔

ب: نظامِ عبادات کو درپیش خطرات

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان کی پیدایش کا مقصد بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾۳۱

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

یعنی اللہ کی عبادت ہی ہمارا مقصد حیات ہے۔عبادت ایک ایسی چیز ہے جو انسان میں تقویٰ پیدا کرتی ہے اور کامل انسان بناتی ہے۔قرآن میں ایک اور جگہ تقویٰ کو عبادت کا حاصل قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾۳۲

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور پچھلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔''

حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

تعبدالله كانك تراه. ۳۳

''(احسان کا مقام یہ ہے کہ) تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔''

اس ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عبادت اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔یعنی بندہ اللہ کی یاد میں اس طرح سے محو ہوجائے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے بہت قریب محسوس کرے اور اس پر عاجزی وانکساری کی ایسی کیفیت طاری ہوجائے کہ جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ایسی ہی کیفیت کو صحیح و سچی عبادت میں شامل کیا گیا ہے یہ عبادت کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔

عبادت کا لفظ پوری شریعت پر حاوی ہے۔بندہ جب اللہ کو معبود حقیقی مان لیتا ہے اور یہ مان لیتا ہے کہ وہی تنہا اور یکتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور اپنی زبان سے اور دل سے یہ اقرار کرلیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول و آخری نبی ہیں تو اس پر یہ بات بھی لازم ہوجاتی ہے کہ شریعت کو پوری طرح سے اپنی زندگی میں شامل کرلے اور مکمل طور پر اپنی زندگی کو احکام الٰہی کے تابع کرلے۔

پھر بندہ جب احکام الٰہی کے تابع ہوجاتا ہے اور اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے جو بھی اعمال کرتا ہے ان سب کا

۳۱۔ الذاریات ۵۱:۵۶ ۳۲۔ البقرۃ ۲:۲۱

۳۳۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، باب ۱، (ح ۱)

محرک جذبہ عبودیت ہی ہوتا ہے۔ ان سب اعمال کے پیچھے جو جذبہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ سے تعلق اور قربت حاصل کرلے اور اس کا اللہ کے ساتھ ایک براہ راست تعلق قائم ہوجائے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے مقام پر پائے جہاں وہ اپنے رب سے ملاقات کرسکے۔ جہاں وہ اس کے آگے روئے اور گڑگڑائے۔ دنیا کی زندگی میں خدا کو پالینا دین کی اعلیٰ ترین حقیقت ہے جو انسان اس طرح سے دنیا میں اپنے رب کو پائے گا تو وہ یقیناً آخرت میں اپنے رب سے ملاقات کا شرف حاصل کرلے گا۔

اس طرح سے شریعت کو اپنی زندگیوں میں شامل کرلینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان **حسنة فی الدنیا** کی منزل سے بہرہ یاب ہوکر **حسنة فی الآخرة** کی منزل کو پاسکتا ہے۔

قرآن میں ارشادالٰہی ہے کہ ﴿اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ رِزۡقٌ مَّعۡلُوۡمٌ﴾ ۳۴ ''آخرت میں اہل ایمان کو جو جنت ملنے والی ہے وہ ان کے لیے رزق معلوم ہوگا۔''

عبادت کے تقاضے

اللہ کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے ہم جن احکامات پر بھی عمل پیرا ہوتے ہیں وہ ہماری عبادت میں شامل ہیں۔ ان احکامات کی پیروی انفرادی واجتماعی دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔

انفرادی اطاعت سے مراد ان چیزوں میں خدا کی فرمانبرداری کرنا ہے جن کا تعلق اہل ایمان کی ذاتی زندگی سے ہے۔ اس میں وہ تمام احکام آجاتے ہیں جو اخلاق ومعاملات سے متعلق ہیں۔ مثلاً سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، امانت میں خیانت نہ کرنا، عدل وانصاف سے کام لینا، تواضع اختیار کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، جس کا جو حق ہے اس کو ادا کرنا، غرض یہ کہ انسان اپنے ذاتی فیصلے سے جو رویہ اختیار کرتا ہے اس میں خدائی ہدایات کو اپنانے کا نام انفرادی عبادت ہے۔

اجتماعی احکام وہ ہیں جس کی تعمیل کسی ایک صاحب ایمان کی مرضی پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ وہ اس وقت روبعمل آتے ہیں جب پورا معاشرہ ان کو عمل میں لانے کے لیے تیار ہو۔

قرآن میں جو بھی احکامات دیے گئے ہیں، ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی ہے کہ انہیں اپنی زندگیوں میں شامل کریں ورنہ ان احکامات سے انحراف ہمارے لیے تباہی کا سامان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّ لَا مُؤۡمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اَمۡرًا اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہُمُ الۡخِیَرَۃُ مِنۡ اَمۡرِہِمۡ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیۡنًا﴾ ۳۵

''کسی مومن یا مومنہ کو حق نہیں کہ جب اللہ اور رسولؐ کسی امر کا فیصلہ کردیں تو اپنے امر میں ان کے لیے اپنا بھی کچھ اختیار ہو اور جو خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہ ہوگیا۔''

ہر مومن اور مومنہ پر لازم ہے کہ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے جن جن معاملات سے اس کا سابقہ ہو ان میں وہ

۳٤۔ الصّٰفّٰت ۳۷:۴۱ ۳۵۔ الاحزاب ۳۳:۳۶

مکمل طور پر خدا کی اطاعت کرے اور دوسری ترغیبات کی پیروی کرنا چھوڑ دے۔

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ۳۶

''اے ایمان لانے والو! تابعداری میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

آج کی جو تہذیب ہے اس میں اس نظام کو شدید خطرات لاحق ہیں اور انسان اپنے بنیادی مقصد وجود کو بھی فراموش کرتا چلا جا رہا ہے۔ خاندان میں ہی دراصل یہ رویے پروان چڑھتے ہیں۔ نئی نسل نے اپنے بزرگوں کو ہی دیکھ کر عبادات کے اس نظام کو اخذ بھی کرنا تھا اور اس کو دوام بھی بخشنا تھا۔لیکن اس میں بھی بنیادی کردار ماؤں کا تھا کیونکہ ماں کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہوتی ہے۔ لیکن جب خاندان ہی ٹوٹ گیا، ماؤں کو گھر کے باہر کی مصروفیتوں نے اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ وہ اپنے اوپر عبادات کے اس نظام کو لاگو کر سکیں تو اس نے اپنی اولاد کے لیے کیا مثال بننا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے ایک کانفرنس میں جو کہ لندن میں شہزادہ چارلس کی طرف سے بلائی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں انہوں نے اس بات پر اظہار خیال کیا کہ ہمارے معاشرے سے تقدس کا لفظ اور احساس ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں اپنے معاشرے میں اس احساس کو دوبارہ رائج کرنے کے لیے مسلم اساتذہ کو اپنے سکول میں تعینات کرنا چاہیے۔ اس پر وہاں کے پریس نے شدید تنقید کی اور کہا:

What is Cherles up to?

چارلس کیا کرنا چاہتا ہے؟

ہمیں اپنے معاشرے کے اس تقدس و پاکیزہ پن کی علامات سے محروم نہیں ہونا اور جو مغربی تہذیب کی یلغار ہمارے خاندان کے اوپر ہو چکی ہے اس سے نجات حاصل کر کے اور خاندان کے نظام پر آنے والے خطرات کو کم کرنا ہوگا۔ ان وجوہات کی بناء پر معاشرے میں مسجد کے معاشرتی و مصالحتی کردار میں کمی آتی جا رہی ہے اور اس وجہ سے روحانیت و عبادات کا تقدس مٹتا چلا جا رہا ہے اور خاندان کی شیرازہ بندی کے یہ اہم عناصر بھی بکھرتے جا رہے ہیں۔ جس کے لیے بطور امت ہم سب کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔

ج: معاشرتی خطرات

معاشرت کی کیفیتیں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور عالم تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں بیان فرماتے ہیں کہ ہماری معاشرت مل کر رہنے کا ایک نقشہ فراہم کرتی ہیں۔ خاندان، معاشرہ، گاؤں اور ملک مل کر ایک امت کا تصور پیش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں فرد اور معاشرے کا تعلق، اتنا فطری اور ناگزیر ہے جیسے زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات......اور ان

۳۶۔ البقرة ۲:۲۰۸

کے بقول کسی نہ کسی معاشرتی تنظیم اور اس کے کچھ بنیادی اصولوں پر ساری انسانیت، بلاتخصیص مذہب وملت متفق ہے۔ یہ اصول ان کے ہاں، اصولِ ارتفاقات کہلاتے ہیں۔ [۳۸]

حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

''اگر بالفرض کسی انسان کی پیدائش ایک غیر آباد، سنسان جگہ پر ہو، اس لیے وہ رسمی تعلیم سے بھی بے بہرہ رہ جائے، تب بھی اس کو بھوک پیاس اور صنفی خواہش پوری کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور وہ کسی مسکن کا محتاج ہوگا۔ کسی عورت سے جائز (یا ناجائز) تعلق کی صورت میں توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوگا اور نسل بڑھے گی...... چند گھر ہوتے ہوئے قبیلے اور قوم کی شکل اختیار کر لیں گے۔ لین دین اور دیگر تعلقات قائم ہوں گے۔ بنا برآں، اجتماعی زندگی کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے لامحالہ رتفاقِ اول، پھر ارتفاقِ ثانی و ثالث کی ضرورت پیش آئے گی اور ایک اچھا خاصا تمدن ظہور میں آ جائے گا۔'' [۳۹]

ہماری پوری معاشرت سنکیانگ سے لے کر افریقہ کے صحراؤں تک ایک سماج میں باہمی دفاع، باہمی سفارت کاری ایک گلوبل ویلج اور امت کی صورت گری کرتی ہیں۔

سماجی معاشرہ کی مستحکم بنیاد خاندان کے ادارے اور اس کی اقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ معاشرہ صرف وہی معاشرہ ہوتا ہے جس کی اعلیٰ اقدار میں تحمل اور برداشت، اور اس کے علم وفراست میں اعلیٰ صفات موجود ہوں، خاندانی ادارہ بھی بنیادوں پر عمل کر کے ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ تہذیب کی اسلامی طرز حیات اور اس کے جامع احکامات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ اسلام بھی اس قسم کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس کی خاندانی بنیادیں مضبوط و مستحکم ہوں۔ لیکن آج کے معاشرتی نظام کا جائزہ لیا جائے تو مغربی معاشرت کا رنگ ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اور دوسری تصویر جو ہماری اسلامی معاشرت کے لیے خطرہ ثابت ہو رہی ہے۔ وہ خود ہمارے ہی مسلمانوں کا کردار ہے۔ جو معاشرے کو اپنی جہالت کے باعث عجیب وغریب رسوم و رواج کے ساتھ تباہ کرنے پر تلے ہیں۔ یہی اندرونی وبیرونی خطرات مل کر معاشرتی نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔

۱- اندرونی خطرات

ہمارے معاشرے میں بھی خاندان کے اداروں کو مختلف نوعیت کے خطرات ہمیشہ لاحق رہے ہیں جن میں قبائلی اور جاگیردارانہ روایات اور جہالت پر مبنی روایات، برادری سسٹم، مالی مشکلات، جھوٹے الزامات، بے جوڑ شادیاں، طلاق کی وقت بے وقت دھمکیاں، غیر ازدواجی تعلقات کے علاوہ اور بہت سی قسموں کی خرابیاں سرفہرست ہیں اس قسم کے خطرات اندرونی خطرات کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان کی مختصراً وضاحت کی گئی ہے۔

1۔ مثالیت پسندی:

۳۸۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۳۰۵

۳۹۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ارتفاقات ۱/۳۰۶

کسی حد تک مثالیت پسندی زندگی میں ارتقاء کا سبب ہوتی ہے مگر اس قسم کے جذبات اس وقت منفی صورت حال اختیار کر لیتے ہیں جب کوئی شخص زمینی حقائق کو فراموش کر دیتا ہے اور اس کی جگہ پر غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عموماً دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ زوج کے انتخاب میں بعض بزرگ اور متوقع امیدواران بے جا قسم کی خواہشات اور تصورات کو اپنے ذہنوں میں پالتے ہیں۔جس کے نتیجے میں مال و اسباب ،دولت یا سماجی مرتبے اور ظاہری شکل وصورت جیسی ترجیحات ایک اچھے اور مستحکم خاندان کے قیام میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔بعض اوقات اس مثالیت کی تلاش میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی عمریں حد سے گزر جاتی ہیں۔

2۔ ذات پات اور برادری:

ہمارے معاشرے میں قدیم طرز زندگی اور روایات کے اثرات کے زیر اثر شادی بیاہ کے معاملات میں ذات پات اور برادری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ گو کہ اس کی وجہ سے شادی بیاہ میں کافی حد تک سہولت بھی ہوتی ہے۔لیکن اگر ذات اور برادری سے باہر شادی کرنے کو معیوب سمجھا جانے لگتا ہے تو اس صورت میں آپس میں رشتوں کا قیام بہت حد تک دشوار ثابت ہوتا ہے۔

3۔ رسم ورواج اور مالی مشکلات:

رشتوں کے انتخاب ، شادی کی تقریب اور اس کے بعد لوگوں کو ضروریات کی مناسبت سے ہماری طرز زندگی میں ایسے رسوم و رواج شامل ہوگئے ہیں جن کے باعث عام مالی حیثیت کے افراد کے لیے ان فرائض کی ادائیگی خاصی مشکل بھی ہوچکی ہے۔ یوں مالی انتظامات کی جدوجہد میں لڑکے اور لڑکی کی شادی کی عمر کا ایک بڑا حصہ گزر جاتا ہے۔

4۔ مشترکہ خاندانی مسائل:

مشترکہ خاندانی نظام کے کئی اقتصادی فوائد اپنی جگہ پر لیکن بدلتے ہوئے حالات کے اندر یہ عناصر کئی اعتبار سے خاندان کے ادارے کے قیام اور اس کے تحفظ اور بقاء میں کافی حد تک رکاوٹ کا سبب بن سکتے ہیں۔

5۔ ذمہ داریوں سے اجتناب:

ازدواجی رشتہ شوہر اور بیوی میں باہم ذمہ داریاں لے کر آتا ہے۔ کافی حد تک نوجوانوں لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد ان ذمہ داریوں سے خوفزدہ ہو کر شادی کرنے کے فیصلہ سے اجتناب برتتی ہے۔ یہ صورت حال اس وقت زیادہ بگڑ جاتی ہے جب کسی نوجوان کے عزیز و اقارب یا پھر دوستوں میں اس حوالہ سے حادثاتی صورت حال درپیش آ جائے۔ معاشرے میں بڑھتی ہوئی مادیت اور انفرادیت کی وجہ سے اس صورت حال میں مزید خرابی نظر آتی ہے۔

6۔ رشتوں کے انتخاب پر اختلاف:

ہمارے معاشرے میں شادی اور خاندان کے قیام کے فیصلے میں عزیز و اقارب اور قریب کے رشتہ داروں کی رائے کو اکثر اوقات بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات خاندان کے افراد کسی بھی ایک فیصلہ پر متفق نہیں ہو پاتے۔ ایسی صورت حال میں بھی شادی کا فیصلہ کرنا بہت مشکل اور ناممکن ہو جاتا ہے۔

7۔ معاشی استحکام:

ہمارے معاشرے میں اگر اعلیٰ تعلیم معاشی استحکام اور بہترین مناصب کے حصول کی خواہشات بنیادی طور پر اہمیت حاصل کرلیں تو شادی کا سوال خود بخود ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ آج معاشرے میں لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد شادی کو ایک اچھے کیریئر اور معاشی استحکام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھنے لگی ہے۔ جس کی وجہ سے ملازمت کی جگہوں پر کام کرنے کا مجموعی ماحول، سفر کی پریشانیاں اور تبادلے وغیرہ کے مسائل سبھی ان تعلقات میں کشیدگی کا باعث ہیں۔

8۔ وراثت کی تقسیم کا خطرہ:

ہمارے معاشرے میں جاگیردارانہ سوچ رکھنے والے افراد کی کثرت ہے۔ جو زمین اور جائیداد کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس کی تقسیم سے خوفزدہ اور ڈرتے رہتے ہیں۔

9۔ اخلاقی الزام تراشی:

معاشرے کے اندر کسی لڑکے اور لڑکی پر بالخصوص کردار کے حوالے سے کوئی غلط یا صحیح قسم کا اخلاقی الزام لگ جائے تو یہ اُس لڑکے یا لڑکی کے لیے ساری عمر کا روگ بن جاتا ہے۔ اس قسم کی صورتحال میں متعلقہ افراد ہی نہیں اس کا پورا خاندان اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور خاندان میں مزید شادیاں بھی مشکل ہوجاتی ہیں۔ اس قسم کے مسائل کسی خاص علاقے یا شہر میں نہیں بلکہ پورے ملک میں دیکھنے میں آتے ہیں۔

10۔ بے اولادی:

ہمارے معاشرے میں اکثر اوقات کسی بھی خاندان میں حاصل افرادی قوت کو مختلف حوالے سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ بسا اوقات شادی کا اصل مقصد ہی بچوں کا حصول ہوتا ہے تاکہ وہ اس خاندان کی جائیداد کی حفاظت اور سیاسی اثر و رسوخ میں مزید اضافہ کا باعث بن سکے اس صورت حال کے پیش نظر خصوصی طور پر بیٹے کی ولادت کا نہ ہونا آپس میں تعلقات کے اندر کشیدگی پیدا کر دیتا ہے۔

11۔ مشترکہ خاندان:

مشترکہ خاندان ہونے کی صورت میں اکثر اوقات لڑکیوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ اس کا شوہر اسے نظر انداز کر کے اپنے خاندان پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ لڑکے کے گھرانے کے افراد خصوصاً ساس اور نندوں وغیرہ کے ساتھ باہم تعلقات میں بھی افراط وتفریط ایک اور منفرد مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

12۔ بے جوڑ شادیاں:

شادی کے مقدس رشتے کو قائم و دائم رکھنے کے لیے لڑکے اور لڑکی میں ذہنی ہم آہنگی، آپس میں ایک دوسرے کا خیال، پیار ومحبت اور قربانی کے جذبات نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ رشتہ کا تعین کرتے وقت ان امور کا خیال اگر نہ رکھا جائے تو عمر، تعلیم اور رہن سہن کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق ہو تو ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ثابت ہوتا ہے۔

13۔ گھریلو تشدد:

کسی بھی خاندان کے قیام کے بعد اس میں بگاڑ کا ایک اہم سبب فریقین یا ان میں سے کسی ایک کا تشدد پر اُتر آنا ہے۔اس قسم کے تشدد میں جسمانی ایذا رسانی اور ذہنی اذیت دونوں ہی قسمیں شامل ہیں۔اس معاملے میں لڑکی یا اس کے خاندان کے رویے شوہر کے لیے نفسیاتی دباؤ کا باعث بنتے ہیں۔ یہ چیزیں اکثر اوقات فریقین کے ذہنی و جسمانی سکون اور صحت کی بربادی کے علاوہ اس کے خاندان کے لیے بھی باعث اذیت ہوتی ہیں۔

14۔ تعدّد ازدواج:

دوسری شادی کرنے کی صورت میں بھی زوجین کے تعلقات عدل و انصاف کے برتاؤ کے نہ ہونے کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے۔جس کی وجہ سے تعلقات میں کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔

15۔ غیر ازدواجی تعلقات اور اخلاقی الزام تراشی:

میاں بیوی کے درمیان اخلاقی الزام تراشی اور حقیقت کی وجہ سے بھی آپس میں باہمی تعلقات بگاڑ کا سبب بن جاتے ہیں۔عموماً خواتین کی طرف سے حجاب کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے بھی کشیدگی بڑھنا خصوصی امر ہے۔[۴۰]

۴۰۔ رپورٹ خاندان کا ادارہ، درپیش چیلنج ص۲۵، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

II- بیرونی خطرات

بیرونی خطرات میں ایسی مہمات اور معاہدات شامل ہیں جو پاکستانی معاشرہ کی بنیادی خصوصیات اور طرز فکر سے ہی متصادم ہیں۔ان میں تخفیف آبادی کی بین الاقوامی مہم، خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمہ کے عنوان سے بین الاقوامی معاہدہ (سیڈا) اور بیجنگ پلس فائیو کانفرنس اور اسی طرز کی دیگر کانفرنسوں اور پروگراموں کے ایجنڈے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1۔ تخفیف آبادی کی مہم

مغربی دنیا کے معروف ماہر معاشیات تھامس مالتھس (1766-1834ء) نے اپنے مقالے Essay on Population میں آبادی اور زمینی وسائل کے عدم تناسب کا جو نظریہ پیش کیا تھا اس میں برطانیہ کے گرتے ہوئے معیار زندگی کا سبب تین عوامل کو ٹھہرایا:

1۔کثرت آبادی۔2۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے وسائل کی کمی۔3۔ نچلے طبقوں کی غیر ذمہ داری۔

اس نظریے میں اس نے وضاحت کی تھی کہ انسانوں کی آبادی (Geometrical Ratio) جبکہ پیداوار کی شرح (Arthmetical Ratio) سے بڑھتی ہے۔ اس کے خیال میں آسمانی آفات اور وبائی بیماریاں سے اموات کو کنٹرول کرنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہیں۔ چارلس ڈارون نے اپنی سوانح حیات میں1886ء میں مالتھس نظریہ آبادی سے اپنے نظریہ ارتقاء کی تشکیل میں استفادہ کا اقرار کیا اور موجودہ دنیا میں یہی دونوں نظریات مغربی فکر و عمل کی بنیاد ہیں۔[۴۱]

۴۱۔ سلیم منصور خالد، عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ، ص۱۸۴، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد

آئندہ نسلوں کی بقاء اور مسائل کا حل جو مالتھس نے پیش کیا وہ علمی تحقیقی بحث سے قطع نظر بیسویں صدی کے امریکی اور یورپی پالیسی سازوں کے لیے اپنے استعماری اور نسل پرستانہ عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ بن گیا۔ فی الوقت اس نظریے کے عملی دنیا میں استعمال کا وہ پہلو سامنے آتا ہے، جو قوموں اور انسانوں کی بقاء کی جدوجہد بالکل مخالف سمت سے شروع کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اگرچہ اسلامی شریعت انفرادی حالات میں کچھ شرائط کے ساتھ اور شریعت کی نگاہ میں معتبر مصالح کی خاطر ضبط ولادت کی محدود اجازت دیتی ہے۔ مگر اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح سرکاری سرپرستی میں زبردستی یا ترغیب کے سہارے ملک وملت پر مسلط کیا جائے۔

طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن اسے پسند نہیں کیا گیا۔ جس طرح طلاق جائز ہے، لیکن اس کو قومی پیمانے پر رواج دینے کی پالیسی اسلام میں ناپسندیدہ اور معاشرے کے لیے ضرررساں ہے، لہٰذا ممنوع ہے، بالکل اسی طرح ممانعت حمل کی تدابیر کو قومی پیمانے پر رواج دینے اور اسی طرح فحاشی کو فروغ دینے کی پالیسی معاشرے کے لیے ضرر رساں ہے لہٰذا ایسی تشہیری مہم چلانا صحت مند معاشرے کے لیے صحیح نہیں ہے۔[۴۲]

البتہ انفرادی سطح پر اگر کسی شادی شدہ عورت کو حمل یا بچہ پیدا کرنے سے جان کو خطرہ ہو تو اسے ان خصوصی حالات کے لیے (شریعت) اجازت دیتی ہے۔ اس کا تعلق بھی غیر معمولی انفرادی ضرورت سے ہے لیکن قومی پیمانے پر ملک وملت کا کروڑوں روپے کا قیمتی سرمایہ برباد کر کے مانع حمل تدابیر کو فروغ دینا اور اس طرح ایک تحریک کی صورت میں اپنے معاشرے میں اس مہم کی اجازت دینا ملک وملت کے مفاد میں ہرگز نہیں ہے۔

حقوق نسواں کی پامالی:

بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن صنفی تناظر میں بننے والی پالیسی، میڈیا میں عورت کی صحیح تصویر کشی اور ذرائع ابلاغ میں عورتوں کی صحیح نمائندگی کے حوالے سے اقدامات کے لیے کہتا ہے۔ یہ پلیٹ فارم میڈیا پالیسیوں اور پروگراموں میں صنفی تناظر کو سامنے رکھ کر سفارت پیش کرتا ہے۔ یہ پلیٹ فارم صنفی حساسیت پر بھی زور دیتا ہے کہ جو میڈیا کی مانیٹرنگ سے ہی ممکن ہے تاکہ میڈیا اپنے پروگرامات اور ان کی منصوبہ بندی و پالیسی سازی میں اس بنیادی مقصد کو سامنے رکھے۔

2۔ بین الاقوامی سطح پر حجاب کی مخالفت

مصر میں ترقی و روشن خیالی کے داعی قاسم امین نے آزادی نسواں کے حق میں ایک کتاب ۱۸۹۹ء میں (**تحریر المرۃ**) کے نام سے شائع کی جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ اسلام میں پردہ نہیں ہے۔ اس کتاب نے مصر کی اسلامی تہذیب و ثقافت کو کچلنے میں کیا کردار ادا کیا؟ اسکندریہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین اپنی کتاب (**الاتجھات الوطنیۃ فی الادب المعاصر**) میں لکھتے ہیں۔ اس دعوت وتحریک کے نتیجے میں عورتوں میں بے پردگی اور بے حجابی، آزادی و بے قیدی کا رجحان پیدا ہوا اس سے اسلامی خیال کے لوگ گھبرا گئے، عورتوں کے خیالات میں قدیم آداب و رسوم، باپ اور شوہر کے اقتدار کے خلاف بغاوت کا جو جذبہ پیدا ہو رہا تھا اس کو انہوں نے شدت سے ناپسند کیا۔

''۱۹۶۰ء سے قبل افغانستان میں اسلامی ثقافت اپنی آب وتاب کے ساتھ قائم تھی۔ حجاب کا باحیا تصور

۴۲۔ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، اپریل ۱۹۴۸ء، ص۱۰

یہاں موجود تھا۔ ٹائمز آف انڈیا(Times of India) کا یورپین نامہ نگار Ritchle Colder جس نے ۱۹۶۳ء کے افغانی جشن استقلال میں شرکت کی تھی اس اخبار کی ۲۸ جولائی ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ تین سال قبل یہاں (افغانستان) کی عورتیں پردہ میں تھیں۔ اس وقت اگر ایسے مواقع پر اسے باہر نکلنے کی اجازت ملتی تھی تو اسے چادر میں ملفوف ہوکر آنا پڑتا جو اسے سر سے پیر تک ڈھکے رہتی اور نقاب اس کے چہرہ کو ڈھانپے ہوئے ہوتا جس میں دیکھنے کے لیے سوراخ بنے ہوتے۔ لیکن اب عورتوں کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے کی آزادی نصیب ہوچکی ہے اوران کی بڑی اکثریت بے نقاب ہوچکی ہے۔''۴۳

اسلامی تہذیب وثقافت کو صرف مصر اور افغانستان میں ہی کچلا نہیں گیا بلکہ بخارا میں بھی مغربی تہذیب کے نفاذ کی کوشش کی گئی۔ معاشرے میں بگاڑ کے لیے ایسے ہتھکنڈے اپنائے گئے کہ یہ نادان لڑکیاں ان کے جال میں پھنستی چلی گئیں۔ بخارا کی سڑکوں پر برقعوں کو جلایا گیا اور جن غیرت مند خواتین نے برقعہ اتارنے سے انکار کیا ان کے سروں سے زبردستی برقعے نوچ لیے گئے۔

بخارا کا انقلابی شاعر تاق ابوالقاسم لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''کتنی بری بات ہے کہ تم پردے میں ہو اور دنیا آزاد ہے۔ افسوس کے تم خواب میں اور دنیا بیدار ہے۔ چادر چھوڑ کر مکتب جاؤ اور تعلیم حاصل کرو۔ جہالت کی شاخ پر پسماندگی کے سوا کوئی پھول نہیں کھلتا۔''۴۴

ایران میں رضا شاہ پہلوی کے دور میں برقع پہننے پر پابندی عائد تھی۔اس نے 1935ء میں برقعہ ممنوع قرار دیا تھا۔ کمال اتاترک نے ترکی کو جدید ترکی میں تبدیل کرنے کے لیے تہذیب وثقافت کو جس طرح کچلا وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے اس نے ترکی ٹوپی اور سر کے ہر لباس، حجاب، اسکارف کو خلاف قانون قرار دیا اور ہیٹ کا استعمال لازمی قرار دیا۔۴۵

فرانس کے اسکولوں میں بچیوں کو صلیب لٹکانے اور سر پر مخصوص ٹوپی پہننے کی اجازت ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کی مخصوص مذہبی علامات ہیں۔لیکن عورتوں کے لیے فرانس میں حجاب کی ممانعت کے لیے قانون بنادیا گیا ہے۔ کیونکہ حجاب کی صورت میں ان معاشروں کو اپنی اربوں ڈالروں کی فیشن انڈسٹری کے ڈوب جانے کا بھی خدشہ لاحق ہے جوکہ ایک لباس کا ٹکڑا اپنی پاؤں کے ٹھوکر پر رکھے ہوئے ہیں۔

د: معاشی خطرات

اسلام ہمیں ایک امت کا تصور دے کر ایک وسیع خاندان میں پرو دیتا ہے۔ لَا اِلٰــــہَ اِلَّا اللّٰہ کی زنجیر ایک مضبوط

۴۳۔ ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص ۳۵، بحوالہ ٹائمز آف انڈیا

۴۴۔ نصیر بائی بخاری، اف یہ پادری، ص ۳۳۷، بحوالہ عبرت نامہ بخارا

۴۵۔ ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ۲۲۶/۳

رشتے میں باندھ دیتی ہے۔ ایک ایسا خاندان وجود میں آتا ہے۔ جس کا خمیر محبت اور وفا ،خلوص اور قربانی سے اٹھتا ہے۔ اسلام خاندان سے بننے والے معاشرے کی بنیاد ایثار اور قربانی پر رکھتا ہے مگر آج کی مادہ پرست دنیا میں حیوانی جذبے غالب آ گئے ہیں۔ ''اور سب سے پہلے میری جان'' اور ''کھاؤ پیو اور عیش کرو'' یعنی بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ ''نیست'' کے فلسفے پر ہمارے معاشرے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ وہ معاشرہ جو آپس میں بہت جڑا ہوا اور Intact تھا اسے رفتہ رفتہ نفسا نفسی اور آزادی اور عیش وعشرت کے جذبوں نے توڑ کر رکھ دیا۔

خاندان کا ادارہ ٹوٹا ، معاشرہ کمزور ہو گیا۔ ہم تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے اور آپس میں لڑا دیا گیا۔ Divide and Rule کی پالیسی نے ہمیں زمانے کی نظروں میں ایسا گرایا کہ ہم اپنی شناخت بھی بھول گئے۔

مرد کو عورت سے اور اقوام کو اقوام سے لڑا کر مغرب نے اپنے نظام معیشت کو سنبھالا دیا اور ہماری معیشت کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہمیں جھوٹ پر مبنی اعداد وشمار سے ڈرا کر کمزور ثابت کیا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مادی اور انسانی وسائل سے مالا مال کر دیا ہے۔ سوس بینک ہماری دولت وثروت سے بھرے پڑے ہیں۔ سونے اور تیل کے ذخائر سے ہماری وادیاں پٹی پڑی ہیں۔ مگر دنیا کے ٹھیکیداروں نے ایران ،عراق کو لڑایا اور ان کی قوت ختم کر دی۔ عرب دنیا کے دل میں اسرائیل کو خنجر کی طرح پیوست کر دیا مگر عرب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ہماری دولت وثروت کو ہمارے ہی خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ جتنی امداد دیتے ہیں وہ مختلف حیلوں بہانوں سے واپس لے جاتے ہیں۔ جن دنوں ایٹمی دھماکوں کی وجہ سے ہماری ساری بیرونی امداد بند کر دی گئی تھی تو اس وقت کے حکومتی اعداد وشمار کے مطابق فیملی پلاننگ کے اداروں کی امداد پانچ گنا زیادہ کر دی گئی تھی۔

کشمیر پر قابض ہو کر ہمارے پانی کے سرچشموں پر ہندو بنیے کا قبضہ مستحکم کر دیا گیا ہے تاکہ جب ہمیں پانی کی ضرورت ہو تو ہمیں قحط سے ماردیں اور پانی کو ڈیم بنا کر روک دیں اور جب ہمارے ہاں سیلاب کا خطرہ ہو تو مزید پانی چھوڑ کر ہمیں ڈبو دیں۔ اسی طرح انہوں نے مصر کی کپاس کو ختم کیا تھا۔ ہمارے سیالکوٹ کی فٹبال انڈسٹری کو زبردست نقصان پہنچایا گیا۔ اس گلوبل ویلیج میں وہ جب ہمارے مخدوم بن کر آئیں گے تو ان کی تہذیب بھی غالب ہوتی جارہی ہے۔

سیکولرزم اور معاشیات

ایک ایسا معاشی انسان تخلیق کیا گیا جس کا محرک عمل افادہ (Utility) یا با الفاظ دیگر ، جلب منفعت اور دفع مضرت قرار دیا گیا۔ افادہ اور منفعت کی ایسی تعریف کی گئی جس میں مادی منفعت اصل حقیقت تھی۔ ان کی کمیت اور مقدار (Quantity) ناپنے کے مادی پیمانے وضع کیے گئے جو زر کے علاوہ کچھ اور نہ ہو سکتا تھا۔ علم معاشیات کے ڈارون سے متاثر ہو مسابقت کو نفع کے حصول کا واحد ذریعہ قرار دیا۔ یہ سوشل ڈارونزم تھا جس کا جوہر یہ تھا کہ فطرت کے نظام میں وہی باقی رہتا ہے جو موانع پر سب سے زیادہ قابو حاصل کر سکتا ہو۔ (Survival of the Fittest) یعنی بقائے اصلاح اور کارکردگی نے انسانیت دوستی (Humanism) کا مقام حاصل کر لیا۔ چنانچہ علم معیشت میں زر ،طلب و رسد آمدنی اور دولت ،معاشی قدر، مادی وسائل اور سرمایہ کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی کہ انسان نظر انداز ہو گیا۔ اس کے جذبات واحساسات اس کے غیر مادی مفادات ،اس کی اقدار سب کم ہو گئیں۔ رہ گئی کلی معاشیات (Macro Economics) تو اس میں اجتماعی اور غیر مادی پسند

وناپسند (Social Desirability) کی جگہ محض مادی ترقی کو کلیدی حیثیت حاصل ہوگئی۔ عدل و انصاف ،اجتماعی استحکام ،اجتماعی ہم آہنگی ، اخلاقی بلندی ،ازالہ غربت ، بے روز گاری کا سدباب ، جیسے اہداف اصل علم معاشیات میں جگہ نہ پا سکے۔ اس لیے کہ یہ تمام اہداف اخلاقی اہداف تھے اور مذہبی فلسفہ حیات کا دین تھے۔ سیکولر عقلیت میں اس کی گنجایش نہ تھی۔

سیکولر طرز فکر کا دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ اقتصادی ترقی میں سرمایہ کاری کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔ ماہرین نے یہ نظریہ وضع کیا کہ بچت اور سرمایہ، کسی سماج کی ترقی میں محرک اور موثر کا کام کرتے ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح اجتماعی اور انفرادی بچت میں اضافہ کیا جائے تا کہ سرمایہ بڑھ سکے اور صنعتوں میں اس کو لگایا جا سکے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح کسی سماج کی بچت کو ان ہاتھوں تک پہنچایا جائے جو صنعتیں قائم کرسکتے ہیں اور سرمایہ کاری کرنے کے لیے ضروری استعداد اور اختراعی ذہن رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سود کا سہارا لیا گیا۔ سود کو بچت میں اضافہ کا موثر ترین وسیلہ قرار دیا گیا اور اس سود کو سرمایہ کی سپلائی کا حکم بنا دیا گیا۔[۴۶]

گلوبلائزیشن اور معاشیات

گلوبلائزیشن کے حقیقی معنی نجی سرمایہ کاری کا فروغ ہے۔ اس پر عائد ہر قدغن کو دور کرنا ہے۔ ہم کو یہ بتایا جاتا ہے کہ مسابقت اور آزاد مارکیٹ معاشی ترقی کا سب سے موثر منہج ہے۔ اس سے ملک کی سرمایہ کاری میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور پیداوار کی متناسب تقسیم ہوگی۔ کارکردگی بھی بڑھے گی۔ بہتر ساماں بھی پیدا ہوں گے اور ہر شخص اپنی ضرورت پوری کر سکے گا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں نجی سرمایہ کاری کی اصطلاح سے مراد غیر ملکی سرمایہ ہے۔ سرمایہ دار چاہے ملکی ہو یا غیر ملکی۔ اس کو عوام کی ضرورت سے سروکار کم ہوتا ہے۔ وہ مختلف طریقوں سے مانگ پیدا کرتا ہے۔ پبلسٹی اور اشتہار کے ذریعے وہ غیر حقیقی مانگوں کو فیشن بنا دیتا ہے ، اس کو منافع کی جستجو ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ملک کو اور عوام کو جن اشیاء کی ضرورت ہے یا جن میدانوں میں ضرورت ہے ، وہ نجی سرمایہ کاری کے ذریعے پورے ہوسکتے ہیں۔ یا تو خام خیالی ہے یا دھوکہ ہے۔ لیکن سرمایہ غیر ملکی ہو تو اس کے مقاصد اور ملک کی ضرورت میں ہم آہنگی کا تصور محال ہے۔ اس کو ان میدانوں کی تلاش ہوگی جہاں وہ زیادہ منافع حاصل کر سکے ، چنانچہ اس کی ترجیحات اسی تلاش پر منحصر ہوں گی۔

گلوبلائزیشن اور پرائیویٹ بیرونی سرمایہ کاری کے وکیل اس پہلو کو بھی نظر انداز کررہے ہیں کہ اس معاشی پالیسی کی انسانی لاگت کیا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو بے روز گار ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے ڈیم کے نتیجے میں کتنے لاکھ انسان ہیں جو بے گھر ہو رہے ہیں۔ ماحول کی آلودگی میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے۔ انسانی سماج کے اخلاق اور اس کی ہم آہنگی پر کتنے مہلک اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ سرمایہ دار کے نزدیک صرف ایک ہی لاگت معتبر ہے اور وہ ہے مالی لاگت۔

مسلم نفسیات اگر مغرب کو اپنا حریف خیال کرتی ہیں تو مغرب کا حال اس عرصے میں یہ رہا کہ وہ تحریک احیائے علوم ،اس کے بعد اصلاح مذہب ،اس کے بعد عظیم انقلاب ، پھر انقلاب فرانس ، پھر انقلاب صنعت ، پھر انقلاب روس ، پھر پہلی جنگ عظیم ، پھر خلافت عثمانیہ کے خاتمے ، پھر دوسری جنگ عظیم کے انقلابات سے گزرتا ہوا پہلے برٹش ایمپائر کی صورت

۴۶۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی ،گلوبلائزیشن اور اس کے معاشی وثقافتی اثرات ،ص ۲۵ ،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ، نئی دہلی

میں اور اب امریکی استعمار کی صورت میں پنجہ یہود بن کر مسلم معیشت ،مسلم تہذیب اور مسلم وجود کی گردن پر اپنے دانت گاڑے ہوئے ہیں۔اس نے مسلم ملکوں کی پوری پوری آبادی اور ان کے پورے پورے وسائل و ذرائع پر قابض ومتصرّف رہ کر اور انہیں بھاری شرح پر قرضے اور اقتصادی امداد دے کر ان کی روح اور نفسیات کو گروی رکھ لیا ہے۔[۴۷]

آزاد معیشت

ورلڈ بنک کی بلاغور وفکر آزاد معیشت کی وکالت سے کرپشن کے کئی دروا ہوسکتے ہیں۔ 1996ء کی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق سیاسی ڈھانچے اور ریاستوں کی حدود سے صرف نظر کرنے سے آزاد معیشت سے سیاسی بحران کو فروغ ملا ہے۔اس سے سیاسی عمل کی طرف سماجی سردمہری پیدا ہوتی ہے کیونکہ سیاست دان اور سرکاری افسران کی سہولیات میں کمی آجاتی ہے۔

ایک اور رپورٹ سے آزاد معیشت سے بڑھتی ہوئی کرپشن اور منی لانڈرنگ کے مواقع کی نشاندہی ہوتی ہے۔ قانونی ڈھانچے کمزور ہوجاتے ہیں۔سرمایہ کاری کی منتقلی کو روکنے کی کوئی دلیل میسرنہیں آتی اور سرمایہ کاری اور کرنسی کی تبدیلی اور منتقلی کا عمل آسان ہوجاتا ہے۔[۴۸]

ہم اپنے معاشرتی حالات کو بگاڑ کر جس معاشی استحکام کی بات کرتے ہیں وہ ہمیں روٹی ،کپڑا اور مکان تو ضرور مہیا کردے گا لیکن ہم سکون، اطمینان اور حقیقی ترقی سے دور رہیں گے۔اور اسی روٹی ، کپڑا اور مکان یعنی ہماری بنیادی ضرورتوں کے حصول نے گھر کے ہر فرد کو معاشی فکر میں ڈال دیا ہے۔گھر کے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی گھروں سے نکل کر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا چکی ہیں مگر اس ذمہ داری کے بوجھ نے عورت کو اپنی اصل ذمہ داری سے دور کردیا ہے۔جس کی وجہ سے خاندان کا ادارہ تباہی کے دہانے پر ہے۔گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ معاشی ذمہ داری ایک دہری ذمہ داری ہے اور جس کی وجہ سے اس کے گھر بچوں اور خاندان کو ایک خطرہ لاحق ہے۔

1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے نہایت واضح الفاظ میں یہ بات کہی تھی۔

جمہوریت ہمارے خون میں رچی بسی ہے۔ یہ ہمارے رگ و ریشے میں پیوست ہے۔صدیوں کے نامساعد حالات نے اس خون کو محض سرد کردیا ہے اور وہ منجمد ہوکر رہ گیا ہے۔اسی لیے آپ کی شریانیں کام کررہی ہیں۔

یہاں میں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کردینا چاہتا ہوں جو ہماری وجہ سے ہی خوب پھل پھول رہے ہیں ،یعنی ایک ایسے نظام کے ذریعے جو انتہائی ناقص اور غلط ہے اور جس نے انہیں اس قدر مطلبی اور مفاد پرست بنادیا ہے کہ اب ان کے خون میں عوام کا استحصال رچ بس گیا ہے۔ وہ اسلام کے سبق کو بھول چکے ہیں۔ ہوس اور خود پرستی میں یہ صرف خود فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دوسروں کے مفادات کو انہوں نے پوری طرح سے پس پشت ڈال دیا ہے۔ میں متعدد دیہات میں گیا ہوں وہاں ہمارے لاکھوں لوگوں کو دن میں ایک وقت کی پیٹ بھر کر روٹی بھی میسرنہیں ہوتی۔ کیا اسی کا نام

۴۷۔ ماہنامہ ''نظریہ'' جلد نمبر۱،شمارہ نمبر۱۲،دسمبر ۲۰۰۷ء

۴۸ Dr.Oscar Levis. The World Sagnifics, The Russian Revolution, P: 29

تہذیب ہے؟ پاکستان کی غرض و غایت یہی ہے تو پھر ہمیں ایسا پاکستان نہیں چاہیے۔ اگر وہ ذی ہوش ہیں تو انہیں زندگی کے جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونا پڑے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اللہ ان کی مدد کرے گا۔ ہم ان کی مدد نہیں کر سکتے۔[۴۹]

قائداعظمؒ کا یہ بیان بہت واضح تھا۔ آپ نے اس میں کئی گہرے نکتے پیش کیے ہیں۔

1۔ جمہوریت اور سماجی انصاف جس میں معاشی انصاف بھی شامل ہے اسلامی تعلیمات کا ایک جزو تھا۔ اگرچہ ایک زمانے سے یہ جذبے خوابیدہ ہیں، لیکن انہیں جگانے اور پھر سے ان میں ایک نئی روح پھونکنے کی ضرورت ہے۔

2۔ دور کے معاشی نظام نے محض برائیوں کو جنم دیا ہے۔ لوگوں کو خود پرست اور بداخلاق بنادیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔ دوسروں کے استحصال کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ قدرتی طور پر ایک عجیب وغریب بات ہے۔ ایسا قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔

3۔ پاکستان میں اس نظام کو ہمیں خیر باد کہنا ہوگا، اس لیے کہ یہ نہ ہی اسلام کی تعریف پر پورا اترتا ہے، نہ ہی ان اغراض و مقاصد کو بروئے کار لاتا ہے جس کے لیے پاکستان بنایا جا رہا ہے۔ پاکستان عوام کی فلاح و بہبود کے لیے معرض وجود میں آئے گا۔

حالیہ عالمگیر معاشی بحران

15 ستمبر 2008ء کو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا بدترین بحران سامنے آیا جب امریکہ کے دوسرے بڑے بینک لیمن برادرز کا خسارہ ناقابل برداشت حدود کو پار کر گیا، نیویارک اسٹاک ایکسچینج میں ایک شیئر کی قیمت 80 ڈالر سے گر کر 1.65 ڈالر پر آ گئی یعنی اس بینک کے سرمایہ کی مالیت 85 ارب ڈالر سے گر کر صرف 56.5 ارب ڈالر رہ گئی اور لیمن برادرز کے 130 ملکوں میں پھیلے ہوئے 16000 ملازمین کی نوکریاں خطرے میں پڑ گئیں۔ اس دن امریکہ کی بین الاقوامی شہرت کی حامل انشورنش کمپنی امریکن انٹرنیشنل گروپ (AIG) کریش کر گئی اور اس نے امریکن حکومت سے 85 ارب ڈالر کی رقم کا مطالبہ کیا۔

نیویارک اسٹاک ایکسچینج ایک رات میں 450 پوائنٹس سے گری اور امریکی شیئر مارکیٹ 60 گھنٹوں میں 8 فیصد گر گئی۔ صرف ستمبر کے مہینے میں بینکوں کے ایک لاکھ انسٹھ ہزار اور وال سٹریٹ کے تیس ہزار ملازمین اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کے ساتھ ہی یورپین ممالک سے لے کر مشرق بعید تک پورا سرمایہ دارانہ نظام لڑکھڑا گیا۔ کمیونزم کے بعد کیپٹل ازم کا اقتصادی نظریہ و نظام ناکام ہوکر زمین بوس ہوتا نظر آیا۔ ماہرین کے مطابق اس بحران سے دنیا میں 7.6 کھرب (ٹریلین) ڈالر ڈوب سکتے تھے اور لاکھوں کروڑوں انسان اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی سے محروم ہوکر بھکاری بن سکتے تھے۔ اس سے پہلے 1929ء میں بھی امریکہ میں اس طرح کا اقتصادی بحران آ چکا ہے۔

بینکوں کی سودی پالیسی

اسلامی نظام معیشت میں سودی نظام کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ یہ انتہائی ظلم پر مبنی نظام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس

۴۹۔ قائداعظمؒ کا صدارتی خطبہ، آل انڈیا مسلم لیگ، اجلاس منعقدہ ۱۹۴۳ء

کے رسولؐ اپنے خلاف اعلان جنگ قرار دیتا ہے۔موجودہ معاشی بحران کا بنیادی سبب یہی سودی نظام ہے جو امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا جارہا ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں سرمائے کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہے جبکہ مغربی سودی نظام معیشت غریب سے اپنے منہ کا نوالا چھین کر امیروں کی تجوریاں بھر رہا ہے۔

امریکہ کے بینکوں کے بحران کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ سود کے لالچ میں ان لوگوں کو آسایش وخواہشات پوری کرنے کے لیے سودی قرضے دیے گئے جو ان قرضوں کی واپسی کی سکت نہ رکھتے تھے اسے بینکنگ کی اصطلاح میں NINJA کہتے ہیں یعنی "No income,

No Job only Application" اس کا مطلب تھا کہ بس صرف درخواست دو اور قرضہ لو اب جب قرضوں کی واپسی کا کوئی راستہ نہ نظر آیا تو امریکی بینکوں نے حکومت کے سامنے ہاتھ اٹھادیے کہ اگر مزید سرمایہ فراہم نہ کیا گیا تو ہم بینک بند کردیں گے۔اس دھمکی کا مطلب یہ تھا کہ امریکی حکومت چند دنوں میں ختم ہوجائے گی۔لہٰذا صدر بش نے بینکوں کو بچانے کے لیے 700ارب ڈالر کا پیکج کانگریس کے سامنے پیش کردیا اور اس کو منظور بھی کرلیا گیا۔حالانکہ صحیح فیصلہ یہ تھا کہ 700ارب ڈالر بینکوں کی تجوریاں بھرنے کی بجائے غریب عوام کے لیے صنعتیں لگانے پر خرچ کردیا جاتا کیونکہ یہ 700ارب ڈالر عوام پر مزید ٹیکسوں کے بوجھ لاد کر پورے کیے جائیں گے۔

یہ صرف ایک امریکہ کی کہانی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک کی داستان ہے۔ہمارا اپنا بجٹ بھی اسی پالیسی کا شاہکار ہے جس نے غریب عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔اس بحران کا دوسرا سبب پورے عالم میں پھیلی ہوئی دہشت گردی کے خلاف جنگ پر مبنی پالیسیاں ہیں۔جس نے پورے کرہ ارض میں آگ اور بارود کا دھواں پھیلایا ہوا ہے۔صرف امریکہ میں ہی ماہانہ جنگی بجٹ 90ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔

کمیونزم کے معاشی خطرات

کمیونزم کی روح دراصل صہیونی روح ہے۔صہیونیت کے بے شمار اعضاء جوارح کمیونزم کی ترویج کے لیے قوت فراہم کرتے ہیں۔صہیونیت کی اس معاشی کچھار میں یو این او اور اس کی سلامتی کونسل لونڈی کا کردار ادا کررہی ہے۔ان کے ذیلی اداروں میں آئی ایم ایف، یونی سیف، ایل ایل او، ڈبلیو ایچ او، ڈبلیو ٹی او، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف، لندن، پیرس کلب وغیرہ سبھی صہیونیت کے عالمی اقتدار کی منزل کو جلد قریب سے قریب تر لانے کی خاطر ''خیر خواہانہ سرگرمیوں'' کی آڑ میں مصروف عمل ہیں۔[۵۰]

معاشرہ میں اقتصادی توازن کا بگاڑ

بلاشبہ اسلام نے فرد کو ملکیت کا حق دیا ہے۔بشرطیکہ جائز طور پر ہو اور ساتھ ہی مالداروں کو ترغیب دیتا ہے کہ انہیں اللہ

۵۰۔ ماہنامہ بیداری حیدرآباد، فروری ۲۰۰۹ء

کی جونعمت ملی ہے اس میں دوسروں کو بھی شریک کریں اور اپنے مال کو احمقوں کے ہاتھوں میں نہ دیں کہ وہ اسے برباد کردیں اور اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم دیتا ہے کہ وہ حرام سے پرہیز کریں اور لوٹ کھسوٹ نہ کریں بلکہ جو لین دین ہو وہ خوشدلی کے ساتھ ہو۔

پیداوار میں اضافہ اور صلاحیتوں کو جلا اور اقتصادی سرگرمیوں کو فروغ ذاتی محرکات اور اپنے اور اپنی اولاد کے لیے زیادہ سے زیادہ کمانے کی انسانی طبعی اور فطری خواہش سے ملتا ہے۔ اسلام نے ملکیت کا حق دے کر دولت کی سرکشی کی روک تھام کے لیے قیود بھی لگائی ہیں مگر آج کا سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام انسان کی سرکشی کو بے لگام کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ مومن خدا اور وحی کے انکار کو تسلیم نہیں کرتا مگر آج کا مادہ پرستانہ دور مذہب کو سماجی مظالم اور رجعت پسندی کا ذمہ دار قرار دے کر الحاد کا علمبردار ہے۔

﴿وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ﴾۵۱

''اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنادیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں''۔

معیشت کو سیاست سے الگ کرنا دشوار ہے۔ ہم جہاں آج سیاسی بگاڑ دیکھتے ہیں وہاں ناجائز دولت ،اقتدار کا انتہائی حد تک بے جا استحصال اور اقربا پروری بھی لازم نظر آتی ہے۔نفع کی پاکیزگی معاشرہ کی بھلائی کے لیے انتہائی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ جو املاک دوسروں کے حقوق غصب کر کے ناجائز طور پر حاصل کی گئی ہوں انہیں ضبط کر کے اصل مستحقین تک پہنچانا استحکام وتوازن پیدا کرسکتا ہے۔لوٹ مار ،فریب دہی ، ذخیرہ اندوزی اور استحصال وغیرہ کی حرمت اسی لیے بیان ہوئی ہے تاکہ معاشرہ میں سکون وسلامتی کی ترویج ہو۔لیکن آج پھر اس سماج میں یہ حرام کام روز افزوں ہیں اور معاشرے میں عدل وانصاف کے توازن کو خطرات لاحق ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں ہر روز یہ منادی کرائی جاتی تھی کہ مسکین ،مقروض اور شادی کا ارادہ کرنے والے (جن کے پاس مہر کی رقم نہ ہوتی) کہاں ہیں؟ بیت المال ان کی مدد کرتا تھا۔

اسلام ایک فطری مذہب ہے جو چوری کی روک تھام کے ساتھ لوگوں کی کفالت کرتا ہے۔ زنا کی مخالفت کے ساتھ شادی کراتا ہے اور اس کی مالیاتی ہدایات معاشرے کے بگاڑ کو روکتی ہیں۔ زکوٰۃ کا دائرہ چاہے کتنا وسیع ہو اس کی حد پار نہیں کرنی چاہیے اور تندرست لوگوں کو روزی کمانے میں لگنا چاہیے کیونکہ محنت ہی دولت کا اصل ذریعہ ہے اور معاشرے میں پوری طاقت کے ساتھ بے روزگاری کو دور کرنے اور ہر شخص کے کام کرنے کے لیے مواقع فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جبکہ قرآن حکم دیتا ہے

﴿وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾۵۲

''اور کہہ دو عمل کرتے رہو عنقریب اللہ تمہارے طرز عمل کو دیکھ لے گا۔''

دوسروں کے ناجائز استحصال اور مفت خوری کی روک تھام کے لیے ہی سود کو حرام قرار دیا گیا تھا اور شرکت کی بنیاد

۵۱۔ القصص ۲۸:۵، ۶

پر تجارت کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی اور مال کو انسان کی خدمت کے لیے بنایا گیا تھا نہ کہ انسان کو مال کی حفاظت پر لگانے کا کام سپرد کیا گیا تھا مگر آج ہمارے معاشرے میں سودی نظام کی تباہ کاریاں اپنے تمام تر برے نتائج کے ساتھ بھیانک منظر نامہ پیش کرنے کے لیے تیار منہ کھولے کھڑی ہیں۔

خاندانی نظام کی بقا اور قیام میں رکاوٹیں

حق تلفیاں

نکاح کے رشتے اور دوسرے رشتوں کو کمزور کرنے والی جو حق تلفیاں ہوجاتی ہیں، ان سے بچنے کے لیے سورۃ البقرۃ، سورۃ النساء، سورۃ النور، سورۃ الاحزاب، سورۃ الطلاق، سورۃ تحریم میں بیویوں اور عورتوں کے حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، والدین اور قرابت داروں کے حقوق سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ الانعام، سورط النحل، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ لقمان اور دوسری سورتوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی حق تلفی لا پرواہی اور ادائیگی میں غفلت خاندانی نظام کو کمزور کرتی ہے۔

بیوی اور اپنے زیر کفالت افراد اور اپنے خاندانی افراد کی کما حقہ کفالت نہ کرنا، ان کی خوراک، پوشاک، رہائش اور تعلیم اور علاج کا خیال نہ رکھنا خاندانی نظام کو کمزور کرتا ہے۔ قرابت داروں کا نفقہ واجب ہے۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ جو لوگ اپنا نفقہ خود برداشت نہیں کر سکتے ان کا نفقہ ان کے صاحب استطاعت رشتے داروں پر عائد کرے گی۔ یہ دین اسلام کا مسلمہ ضابطہ ہے، جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ دوسری طرف کفالت اور نان نفقہ کا اہتمام ہو لیکن زوجین کا باہم سلوک درست نہ ہو یا بیوی کے ساتھ مار دھاڑ، گالم گلوچ، توہین و تذلیل اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا جائے تو یہ بھی خاندان کے رشتے کو کمزور کرتا ہے۔

جہاں تک خاندان کے قیام میں رکاوٹوں کا تعلق ہے، ان میں چند اہم درج ذیل ہیں۔

نکاح میں تاخیری حربے

قرآن و سنت اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ۵۲

''اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔''

آج کل بڑے گریڈ کی ملازمت ملنے، صاحب حیثیت بننے سے قبل نکاح نہیں کیا جاتا، جو خاندانی نظام کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔

جہیز اور دیگر ناروا شرائط

اسی طرح عورت کے لیے جہیز لانے اور دیگر غیر ضروری قسم کی شرائط عائد کرنا بھی خاندانی نظام کے قیام میں

۵۲۔ النور ۲۴: ۳۲-۳۳ ۵۲۔ التوبہ ۹: ۱۰۵

رکاوٹیں ہیں۔

نبیؐ نے فرمایا: ''تین آدمیوں کی اعانت اللہ پر حق ہے۔ مکاتب جو بدل کتابت ادا کرنا چاہے اور نکاح کرنے والا جو پاک دامنی اختیار کرنا چاہے اور مجاہد فی سبیل اللہ۔''۵۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہیں ایسے آدمی کی طرف سے پیغام نکاح ملے جس کے دین واخلاق سے تم راضی ہو تو شادی کردو، اگر ایسا نہ کرو گے تو وسیع فتنہ اور فساد ہوگا۔''۵۴

احکام نکاح کی رعایت نہ کرنا

شادی کے لیے لڑکی ،لڑکے اور ولی سب کی رضا مندی ضروری ہے۔لیکن اگر ٹکراؤ آ جائے تو پھر فوقیت لڑکے لڑکی کی رضا مندی کو دی جائے گی۔ بشرطیکہ لڑکی ایسی جگہ شادی نہ کرے جو خاندان کی ذلت و رسوائی کا ذریعہ ہو۔

بغیر دیکھے حقیقی جبر یا اخلاقی دباؤ ڈال کر نکاح کرنا مناسب نہیں ہے۔اس لیے لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو شرع کی مقرر کردہ اخلاقی حدود میں دیکھ لیں۔۵۵ تو پھر شادی پر کوئی پچھتاوے میں نہیں آئے گا۔

متعدد آیات و احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام جو معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں رہبانیت اور جنسی انارکی میں سے کسی ایک کی بھی گنجایش نہیں۔اس لیے اسلام نے زنا کے خلاف جتنا سخت محاذ قائم کیا ہے نکاح کو اتنا ہی آسان بنادیا ہے۔ وہ معاشرہ میں کسی نوجوان کو مجرد دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ لونڈیوں اور بیواؤں کی شادی کی ترغیب بھی دیتا ہے تا کہ مسلم معاشرہ پاکیزہ ترین اور شریف ترین معاشرہ کے سانچے میں ڈھل جائے۔

اسلام خاندان کے قیام کو نسل انسانی کی بقاء ،تہذیب وتمدن کے فروغ اور ارتقاء کا بنیادی نقطہ قرار دیتا ہے اور اس ادارے کے قیام کو مقاصد شریعت میں شامل کرتا ہے کہ یہ ادارہ محبت واخوت کی پاکیزہ اور پائیدار بنیادوں پر قائم ہو اور درحقیقت قرآن حکیم اور حدیث رسولؐ کے مطالعہ سے وہ جامع احکامات ملتے ہیں جو خاندانی نظام کی مضبوطی اور اس کے استحکام کے لیے بہت مفید ہیں۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''نوع انسانی کی بقاء اور انسانی تمدن کا قیام دونوں اس بات پر منحصر ہیں کہ عورت اور مرد محض لطف اور لذت کے لیے ملنے اور پھر الگ ہوجانے میں آزاد نہ ہوں بلکہ ہر جوڑے کا باہمی تعلق ایک ایسے مستقل اور پائیدار عہد و فا پر استوار ہو جو معاشرے میں معلوم اور معروف بھی ہو اور جسے معاشرے کی ضمانت بھی حاصل ہو۔اس کے بغیر نسل انسانی ایک دن کے لیے بھی نہیں چل سکتی۔ایک انسان کا بچہ اپنی زندگی اور اپنی نشوونما کے لیے کئی برس کی دردمندانہ نگہداشت اور تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور تنہا عورت اس بار کو

۵۳۔ الجامع للترمذی،(ح ١٦٥٥)؛ السنن لإبن ماجة؛ (مشکوٰة شریف کتاب النکاح ،الفصل الثانی عن ابی ہریرہؓ ص٢٦٧

۵۴۔ الجامع للترمذی ،(ح١٠٨٤)؛ مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الثانی ،ص٢٦٧

۵۵۔ السنن لأبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وھو یرید تزویجھا، (ح ٢٠٨٢)

اٹھانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوسکی۔ جب تک وہ مرد اس کا ساتھ نہ دے جو اس بچے کے وجود میں آنے کا سبب بنا ہو۔ اس طرح اس معاہدے کے بغیر انسانی تمدن بھی برقرار نہیں رہ سکتا، کیونکہ تمدن کی تو پیدایش ہی ایک مرد اور عورت کا مل کر رہنے، ایک گھر اور ایک خاندان وجود میں لانے اور پھر خاندانوں کے درمیان رشتے اور رابطے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ اگر عورت اور مرد گھر اور خاندان کی تخلیق سے قطع نظر کرکے محض لطف اور لذت کے لیے آزادانہ ملیں گے تو سارے انسان بکھر جائیں گے۔ اجتماعی زندگی کے جڑیں کٹ جائے اور بنیاد ہی باقی نہ رہے، جس پر تہذیب اور تمدن کی یہ عمارت اٹھی ہے۔ ان وجوہ سے عورت اور مرد کا ایسا آزادانہ تعلق جو کسی معروف و مسلم عہد وفا پر مبنی نہ ہو انسانی فطرت کے خلاف ہے۔''۵۶؎

خاندانی نظام کی بقاء کے لیے قرآن مجید ایک جامع لائحہ عمل دیتا ہے۔ آج کے دور کا مسلم معاشرہ جہاں بہت سے قرآنی احکامات کی نفی کرتا ہے۔ وہاں وہ ایسی تہذیب و تمدن کا حصہ بنتا جا رہا ہے کہ جو قرآنی احکامات اور سنت رسولؐ کے برخلاف ہے۔ مولانا مودودیؒ کی اس تفسیر سے واضح طور پر ان عوامل کی نشاندہی ہوتی ہے جس سے خاندان کے ادارے کو خطرات لاحق ہیں۔ جن میں شوہر یا بیوی کی جانب سے باہمی حقوق اور فرائض سے غفلت کا مرتکب ہونا، غیر ازدواجی تعلقات میں ملوث ہونا، خلوت و جلوت کے احکامات کو نظرانداز کرنا، محرم اور غیر محرموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور ریاست و معاشرت میں کردار وغیرہ شامل ہیں۔

مثال کے طور پر سب سے پہلے اسلام مسلمانوں کو مشرکوں اور غیر مسلموں (باستثنا اہل کتاب) سے نکاح سے روک دیتا ہے۔ لیکن آج کے معاشرتی رویوں نے ایک ایسی تہذیب اور معاشرت کو وجود دیا ہے جو کہ شرم وحیاء، عصمت و عفت، مذہبی و تہذیبی روایات سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ نام نہاد لادین لوگوں سے نکاح، ہندوؤں اور سکھوں سے نکاح یعنی ایک ایسا مخلوط معاشرہ وجود میں آنے کا خطرہ ہے جس سے خاندان کے ادارے کی بنیاد ہی ہل کر رہ گئی ہے۔ آہستہ آہستہ ایک ایسی مغربی تہذیب کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے لیکن اس مغرب کی تقلید کی دوڑ میں شریک ہوجانے کے باوجود ابھی بھی کچھ خاندان ایسے ہیں جن کے حلق سے مغرب کے کڑوے پھل نہیں اترے اور اس کی وجہ اسلام کے وہ اثرات ہیں۔ جب یہ اثرات ختم ہوں تو مغربی تہذیب اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ ان کے گھروں میں موجود ہوگی۔ سیلاب کے آثار کو دیکھ کر جو شخص ہوش میں نہ آئے اور اپنے گھر کی حفاظت نہ کرے اس کا گھر سیلاب کی نذر ہوکر رہے گا، کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔

۵۶۔ تفہیم القرآن: ۳۲۰/۳